

# میری کتاب

جماعت پنجم



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

# اُردو کی پانچویں کتاب

پانچویں جماعت کے لیے



برائے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور



جملہ حقوق بحق پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ محفوظ ہیں  
تیار کردہ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور  
منظور کردہ وفاق وزارت تعلیم حکومت پاکستان - اسلام آباد



مصنفین:

ڈاکٹر اصغر علی شیخ  
الطاف فاطمہ  
ایم اسحاق جلالپوری  
اختر احسن بھٹی (مرحوم)

لے آؤٹ: شاہنواز  
فنی معاونت و پروسیدنگ: پولیمر پبلی کیشنز لاہور  
ناشر: بک گلیمز لاہور  
مطبع: زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور





# فہرست

1	حمد	—	1
3	رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم	—	2
7	قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا	—	3
12	میرا وطن	—	4
14	حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اِیثار	—	5
18	اُستاد کا احترام	—	6
22	علم کے فائدے	—	7
23	اسلامی ممالک کا اتحاد	—	8
27	گندم کی کٹائی	—	9
32	فالتو کون؟	—	10
38	شریف جانور	—	11
42	کے - ٹو	—	12
46	قومی ترانہ	—	13
50	علمی مقابلہ	—	14
54	ہمارے نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم (نظم)	—	15
56	محبّت کا پیغام	—	16
59	دُرّی	—	17
63	معنّی چیونٹی	—	18







65	اگلا مورچہ	— 19
70	ہوا (نظم)	— 20
72	بڑا بھائی	— 21
77	حقوق اور فرائض	— 22
82	دھنک (نظم)	— 23
84	وادی کا غان کی سیر (حصہ اول)	— 24
89	وادی کا غان کی سیر (حصہ دوم)	— 25
94	ایک پہاڑ اور گلہری (نظم)	— 26
96	غزوہ بدر	— 27
101	مچھر گئے، بیماری گئی	— 28
106	محنت کی برکتیں (نظم)	— 29
108	پاکستان کی کہانی	— 30
113	رات (نظم)	— 31
115	ٹیلی وژن	— 32
119	ترقی کا راز	— 33
123	دعا (نظم)	— 34

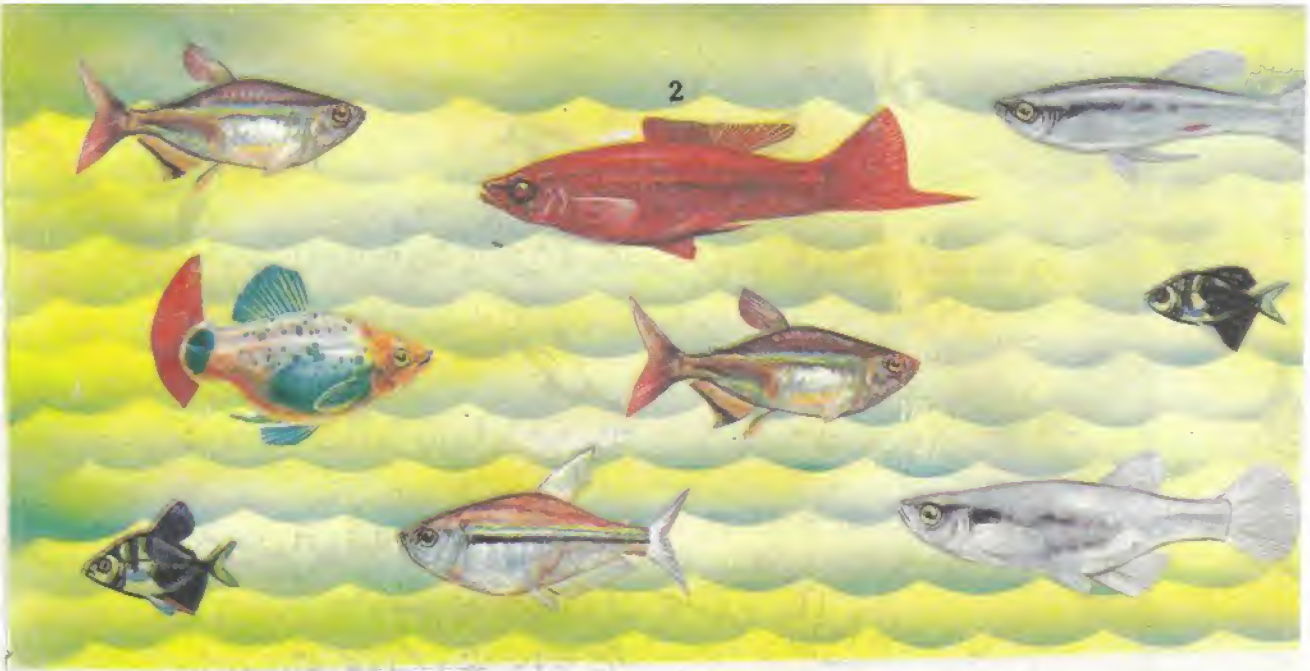


بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## حمد

تعریف اُس خدا کی جس نے جہاں بنایا  
 کیسی زمیں بنائی، کیا آسمان بنایا  
 پیروں تلے بچھایا کیا خوب فرشِ خاکی  
 اور سر پہ لاجوردی اک سائبان بنایا  
 مٹی سے بیل بوٹے کیا خوش نما اگائے  
 پہنا کے سبز خلعت ان کو جواں بنایا  
 خوش رنگ اور خوش بو گل پھول ہیں اگائے  
 اس خاک کے کھنڈر کو کیا گلستان بنایا  
 میوے لگائے کیا خوش ذائقہ ریسے  
 چکھنے سے جن کے ہم کو شیریں دہاں بنایا  
 سورج بنا کے تو نے رونق جہاں کو بخشی  
 رہنے کو یہ ہمارے اچھا مکان بنایا  
 یہ پیاری پیاری چڑیاں پھرتی ہیں جو چمکتی  
 قدرت نے تیری ان کو تسبیح خواں بنایا





آپ رواں کے انڈر پھلی بنائی تو نے  
 پھلی کے تیرنے کو آپ رواں بنایا  
 ہر چیز سے ہے تیری کاری گری ٹپکتی  
 یہ کارخانہ تو نے کب رائگاں بنایا  
 (اسماعیل میرٹھی)

## مشق

- 1- ان الفاظ کو تہجی ترتیب سے لکھ کر ان کے معنی درج کیجیے:  
 لاجوردی - کھنڈر - شیریں دہاں - تسبیح خواں - آپ رواں - رائگاں -
- 2- اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:  
 خوش ذائقہ - رونق بخشا - تسبیح خواں - رائگاں -
- 3- اللہ نے ہمیں کون کون سی نعمتیں دے رکھی ہیں؟
- 4- مکاں، دہاں، جہاں ہم آواز الفاظ ہیں، انہیں ”ہم قافیہ“ الفاظ بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح ”تعریف“ کے ہم قافیہ الفاظ ہوں گے؛ شریف، ضعیف، خزلت وغیرہ۔ آپ اسی طرح ”خاک“ کے ہم قافیہ الفاظ جمع کیجیے۔



## رحمتِ عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم



شہر مکہ کی ایک گلی کے ٹکڑے پر ایک بوڑھی عورت اپنے گھر کی چھت پر کھڑی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کو کسی کا بے چینی سے انتظار ہے۔ وہ بار بار اس راستے کی طرف دیکھتی جو سردارِ قریش کے گھر سے باہر کی طرف جاتا تھا۔ وہ کبھی راستے کی طرف دیکھتی اور بھی اس ٹوکری کی طرف جو اس کے قریب ہی رکھی تھی۔

بڑھیا کو معلوم تھا کہ جن کا اسے بے چینی سے انتظار ہے، اپنے مقررہ وقت پر ادھر سے ضرور گزریں گے۔ اس کے باوجود ایک سوئم اُسے بے چین کیے ہوئے تھا کہ ایسا نہ ہو، آج وہ اپنا راستہ بدل لیں اور کسی دوسرے راستے سے باہر نکل جائیں اتنے میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُسے محسوس ہوا کہ وہ جن کا انتظار کر رہی ہے، اب اس کے گھر کے قریب ہی پہنچنے والے ہیں۔ اس نے اپنی ٹوکری کو مضبوطی سے پکڑ لیا اور جھک کر گلی کی طرف دیکھا۔ اس کی نظر ایک خوبصورت چہرے، روشن پیشانی اور صاف ستھرے لباس والی شخصیت پر پڑی جو نہایت متانت اور وقار سے چلتے ہوئے قریب آ رہی تھی۔ بڑھیا دل ہی دل میں مسکرائی ہاں یہ وہی تو ہے، اسے کون نہیں پہچانتا۔ قدموں کی چاپ بہت قریب آ گئی تھی۔ وہ اس کی چھت کے نیچے پہنچ گئے تھے۔ بڑھیا نے ٹوکری اٹھائی اور دوسرے ہی لمحے کورے کرکٹ سے بھری ٹوکری اُن پر الٹ دی۔ اُنھوں نے اپنا جھکا ہوا سر اٹھایا، اوپر کی طرف دیکھا اور پھر سر جھکا کر آگے بڑھ گئے۔ ہر روز کی طرح آج بھی اُن کے چہرے پر خشکی تھی نہ غصہ۔ ماتھے پر ایک بھی بل نہ تھا۔ البتہ ہونٹوں پر ایک مہربان مسکراہٹ تھی۔ کتنے ہی دنوں سے ہر روز وہ بڑھیا یہی حرکت کرتی چلی آ رہی تھی اور وہ اسی طرح مسکراتے ہوئے گزر جاتے تھے۔ پھر ایک دن یوں ہوا کہ بڑھیا چھت پر موجود نہ



تھی۔ اس دن کسی نے اُن پر کوڑا نہ بھینکا۔ آج ضرور کوئی بات ہے، گزرنے والے نے سوچا۔ اُدھر بڑھیا بُخار اور تکلیف سے بے چین کر وٹیں بدل رہی تھی۔ اتنا بھی تو نہ تھا کہ کوئی اس کو ایک گھونٹ پانی ہی پلا دیتا۔ اتنے میں دروازے پر کسی نے دستک دی۔

”کون؟“ بڑھیا نے کراہتے ہوئے پوچھا:

”محمدؐ؟“ جواب آیا ”کیا میں اندر آسکتا ہوں؟“

آواز میں اتنی نرمی اور شفقت تھی کہ پلا ارادہ ہی اس کی زبان سے نکل گیا۔  
”آجائیے!“

بڑھیا کو ایک دم خیال آیا۔

”محمدؐ؟“ اور وہ لرز گئی۔ یہی تو وہ شخص تھے، جن پر وہ بلا ناعہ کوڑا ڈالا کرتی

تھی اور اب دیکھیں وہ کس طرح اپنا بدلہ لیتے ہیں۔ خدا کے پیارے رسولؐ اور سردارِ قریش کے گھرانے کے معزز شخص جن کو دشمن بھی صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے، اس کے قریب کھڑے نرمی سے کہہ رہے تھے۔ ”آج آپ چھت پر موجود نہ تھیں، مجھے خیال ہوا کہ ضرور بیمار ہیں۔ آپ بیمار اور تنہا ہیں۔ بتائیں میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟“  
”ایک پیالہ پانی پلا دیں“ نرم زبان کی مٹھاس سے بڑھیا کا سارا خوف دُور ہو گیا۔ پھر جب تک وہ بیمار رہی، سچے اور پیارے نبی محمدؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہر روز اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے، اس کا گھر صاف کرتے اور دوا لاکر دیتے تھے۔

آپؐ کے اچھے برتاؤ کا یہ اثر ہوا کہ وہ بڑھیا آپؐ پر ایمان لے آئی۔ وہ آپؐ سے بدسلوکی صرف اس لیے کیا کرتی تھی کہ آپؐ لوگوں کو بتوں کی پرستش کے بجائے ایک خدا پر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے۔

بڑھیا جس نبیؐ پر ایمان لائی تھی، وہ ہمارے نبی محمدؐ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تھے۔

آپ کے اخلاق اور رحمدلی کا یہی ایک واقعہ نہیں۔ لوگ آپ کو رحمتِ عالم کے لقب سے یاد ہی اس لیے کرتے ہیں کہ آپ نہ صرف انسانوں بلکہ جانوروں پر بھی رحم کرتے تھے۔ آپ کو بچوں سے خاص اُنس تھا۔ آپ بچوں سے بڑی نرمی اور شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک مرتبہ عید کے دن آپ اپنے پیارے نواسوں حضرت امام حسین اور امام حسن کے ساتھ عید کی نماز کو جا رہے تھے۔ راستے میں ایک یتیم بچے کو دیکھا۔ اس کے کپڑے پھٹے پرانے تھے اور وہ رو رہا تھا۔ آپ نے رُک کر اُس سے رونے کا سبب پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میرے والد فوت ہو چکے ہیں۔ آپ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور پوچھا کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے باپ ہوں، عائشہ تمہاری ماں اور فاطمہ تمہاری بہن ہوں؟ چنانچہ آپ اُس بچے کو اپنے ساتھ لے آئے۔ اپنے نواسوں کے کپڑے اُسے پہنائے اور اچھے اچھے کھانے کھلائے۔

ایک بار حضور نے بازار میں کسی گھر کی خادمہ کو روتے دیکھا۔ اُس کے رونے کا سبب پوچھا تو اُس نے بتایا کہ میری مالکہ نے سودا لانے کے لیے جو پیسے دیے تھے، وہ گم ہو گئے ہیں۔ آپ نے اتنی رقم اُسے دے دی کہ سودا خرید کر لے جائے اب وہ واپس جاتے ہوئے ڈر رہی تھی کہ اس کی مالکہ ناراض ہوگی کہ اتنی دیر کیوں لگا دی۔ چنانچہ آپ اس کے ساتھ گھر تک گئے اور مالکہ کو اس کی مجبوری بتا کر سفارش کی کہ اس پر ناراض نہ ہو۔ ایک مرتبہ حضور ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ تھا جو بھوکا تھا۔ آپ کو دیکھ کر وہ بلبلائے لگا جیسے آپ سے شکایت کر رہا ہو کہ مجھے مالک بھوکا رکھتا ہے۔ آپ نے اس کے مالک کو بلوایا اور فرمایا: اس جانور کے معاملے میں تم خدا سے نہیں ڈرتے؟ آپ کا فرمان ہے کہ جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادو اور ان کے کھانے پینے کا خیال رکھو۔

حضور کی پوری زندگی رحمت اور شفقت کے ایسے ہزاروں واقعات سے



بھری پڑی ہے جن میں سے چند واقعات کا ذکر ہم نے کیا ہے۔

## مشق

- 1- یوڑھی عورت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گویا کیوں پھینکتی تھی؟
- 2- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یوڑھی عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟
- 3- ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے تھے؟ (کوئی واقعہ سنائیے)
- 4- اس کہانی سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟
- 5- اچھا انسان وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر چلے۔ ایک مضمون لکھیے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقوں کا ذکر ہو۔
- 6- ان الفاظ کے معنی لغت میں دیکھیے: مقررہ - متانت - وقار - شفقت - بلاناغہ - عیادت - انس - پرستش - معزز - صادق - امین - لقب۔
- 7- قدموں کی چاپ - ماتھے پر کل آنا - دستک دینا - لرز جانا - دعوت دینا، کو اپنے مجنوں میں استعمال کیجیے۔
- 8- واقعات جمع ہے۔ اس کا واحد لفظ ہے ”واقعہ“ اسی طرح ان الفاظ کے واحد لکھیے: خیالات - حالات - مشکلات۔
- 9- اس سبق سے دس ایسے لفظ چنئیے جو اسم ہوں۔

## قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا

آدھی رات کا وقت تھا۔ کراچی کا سارا شہر خاموشی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ لوگ گہری نیند میں سو رہے تھے۔ لیکن ایک دو منزلہ مکان کا ایک کمر ابھی تک روشن تھا۔ روشنی کی کرنیں کھڑکی سے چھن چھن کر باہر آرہی تھیں۔ کمرے کے اندر ڈبلے پتلے جسم کا ایک لڑکا لیپ جلائے کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے لیپ کے گرد کاغذ کی آڑ کھڑی کر رکھی تھی تاکہ دوسرے لوگوں تک لیپ کی روشنی نہ پہنچے۔ وہ اپنے مطالعے میں اس قدر محو تھا کہ اسے رات گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ وہ مسلسل پڑھے جا رہا تھا۔ برابر کے کمرے میں گھر کی کچھ خواتین سو رہی تھیں۔ ان میں سے ایک کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا، کمرے میں لیپ جل رہا ہے۔ وہ اٹھ کر کمرے میں آئی۔ دیکھا کہ وہ لڑکا مطالعے میں مصروف ہے۔ اسے دنیا جہان کی کوئی خبر نہیں۔ اس نے کہا ”بھئی! شاید تمہیں پتا نہیں چلا، آدھی رات گزر چکی ہے۔ پڑھنا ختم کرو اور آرام سے سو جاؤ“ وہ بولا ”ہاں! میں جانتا ہوں آدھی رات گزر چکی ہے، لیکن میں سو نہیں سکتا۔ اگر میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح سو جاؤں تو زندگی میں بڑا آدمی کیسے بن سکوں گا“

یہ ڈبلا پتلا لڑکا بڑا ہو کر تاریخ کی ایک عظیم شخصیت بنا۔ اس کا نام محمد علی جناح تھا۔ آدھی آدھی رات تک مطالعہ کرنے والا یہی لڑکا قائدِ اعظم کہلایا، جس نے اپنی قابلیت، محنت اور دیانت سے اپنی پوری قوم کو نئی زندگی بخش دی۔ مسلمانوں کے لیے پاکستان حاصل کیا جس میں ہم آزادی سے رہ رہے ہیں۔

قائدِ اعظم سے لوگ پوچھتے تھے ”پاکستان کیوں بنایا گیا؟“ آپ انہیں بتاتے تھے ”مسلمان دوسری قوموں سے ایک الگ قوم ہیں، کیونکہ ان کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید

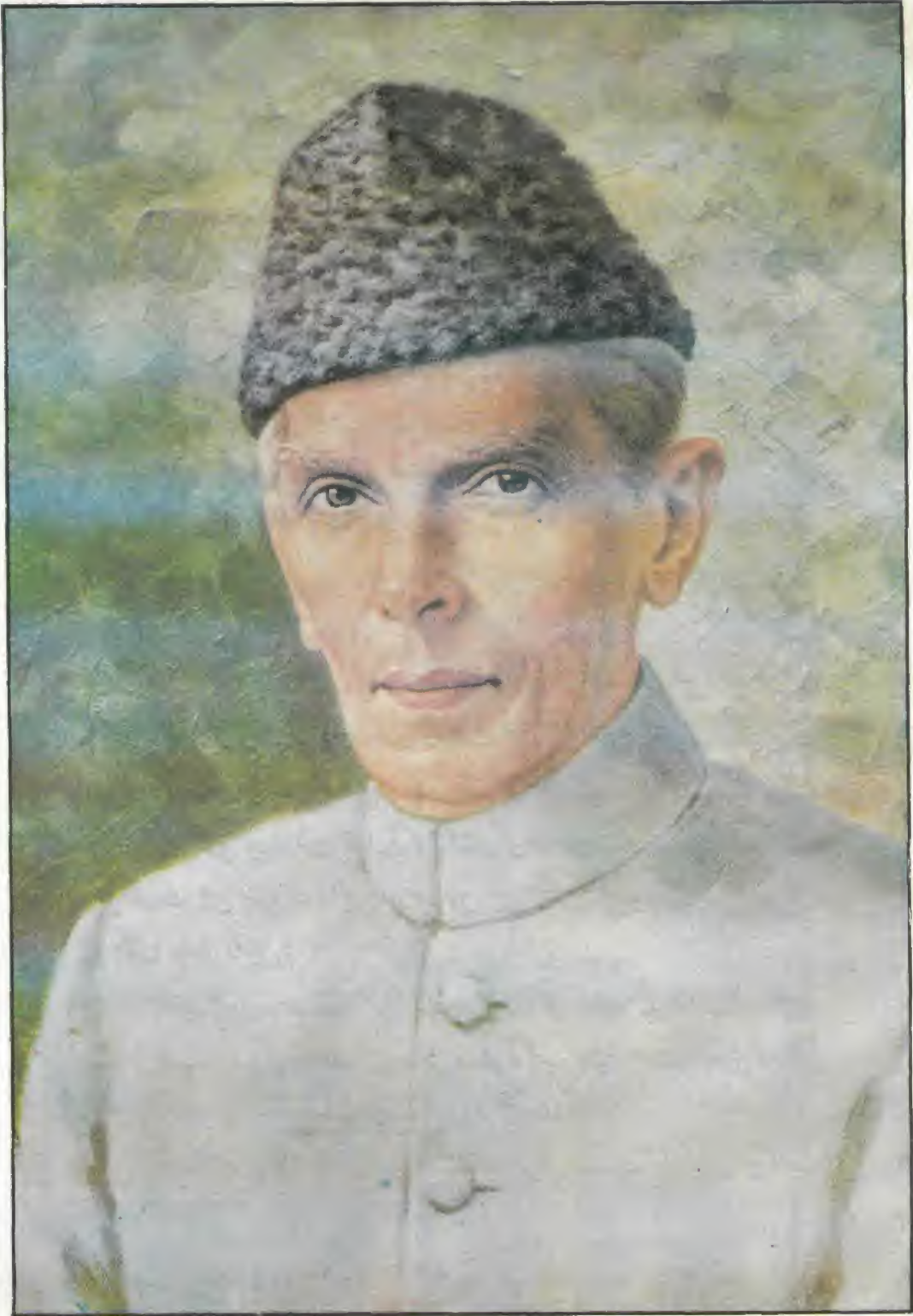


پر ہے۔ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا ملک بنائیں جس میں ہم آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں، جس میں اسلامی تہذیب کو زندہ کیا جائے اور جہاں اسلامی اقدار کو پروان چڑھنے کا موقع ملے۔“

پاکستان حاصل کرنے کے لیے قائد اعظمؒ نے مسلمانوں کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور ہر طرح کے مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتے تھے: ”ہم جتنی زیادہ تکلیفیں سہنا اور قربانیاں دینا سیکھیں گے، اتنی ہی زیادہ پاکیزہ، خالص اور مضبوط قوم بن کر اُبھریں گے، جیسے سونا آگ میں تپ کر کندن بن جاتا ہے۔“ پاکستان بن گیا تو آپ نے اپنے ہم وطنوں کو ایک پیغام میں فرمایا: ”ہم نے پاکستان حاصل کر لیا ہے لیکن یہ محض آغاز ہے۔ اب بڑی بڑی ذمہ داریاں ہمارے کندھوں پر آ پڑی ہیں۔ جتنی بڑی ذمہ داریاں ہیں اتنا ہی بڑا ارادہ اور اتنی ہی عظیم جدوجہد کا جذبہ ہم میں پیدا ہونا چاہیے۔ جتنی قربانیاں پاکستان کو حاصل کرنے کے لیے دی گئی ہیں، اس کی تعمیر و ترقی کے لیے بھی اتنی ہی قربانیوں کی ضرورت ہے۔ حقیقی مسلمانوں میں ٹھوس کام کا وقت آپہنچا ہے۔ قدرت نے آپ کو ہر چیز عطا فرمائی ہے۔ آپ کے پاس بے شمار وسائل ہیں۔ اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ اس کی تعمیر کریں۔ جلد سے جلد اور عمدہ سے عمدہ تعمیر۔ آگے بڑھیے اور بڑھتے ہی چلے جائیے۔“

قائد اعظمؒ کو اسلام کے ساتھ سچی محبت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کو نمونے کی اسلامی ریاست بنائیں۔ وہ فرماتے تھے: ”میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات اس اُسوۂ حسنہ پر چلنے میں ہے جو پیغمبر اسلامؐ نے ہمیں دیا ہے۔“

قائد اعظمؒ نے اپنی کوششوں سے مسلمانوں کی بکھری ہوئی طاقت کو یکجا کیا۔ انہیں ایمان، اتحاد اور تنظیم کا سبق دیا اور فرمایا: ”ہم مسلمان ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں۔ پس یہ لازم ہے کہ ہم ملت کی حیثیت میں بھی ایک ہوں کیونکہ



قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ



اتحاد میں طاقت ہے۔ اگر ہم خود کو پنجابی، سندھی وغیرہ پہلے اور مسلمان اور پاکستانی بعد میں سمجھنے لگیں گے تو پھر پاکستان پارہ پارہ ہو جائے گا۔ اب ہم سب پاکستانی ہیں۔ نہ بلوچی، نہ پٹھان، نہ سندھی، نہ پنجابی۔ ہمیں صرف اور صرف پاکستانی کہلانے پر فخر ہونا چاہیے ہم جو کچھ محسوس کریں، جو کچھ عمل کریں اور جو قدم بھی اٹھائیں، وہ پاکستانی ہونے کی حیثیت سے ہو۔ ہر شخص کو اپنے گاؤں، قصبے اور شہر سے محبت ہونی چاہیے اور اس کی بہبود اور ترقی کے لیے اسے محنت بھی کرنی چاہیے۔ یہ بہت اچھی بات ہے لیکن اس سے زیادہ اچھی بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے شہر اور قصبے کی نسبت اپنے ملک سے زیادہ محبت ہو۔ ہمیں ملک کی خاطر زیادہ لگن اور زیادہ شدت سے محنت کرنا چاہیے۔

ہمارے قائد اعظم کا حوصلہ نہایت بلند تھا اور ان میں ہمت و جرأت کے اعلیٰ جوہر موجود تھے۔ پاکستان کی راہ میں جب دشمنوں نے طرح طرح کی مشکلات پیدا کیں تو آپ نے فرمایا:

”خدا کی قسم! جب تک ہمارے دشمن ہمیں اٹھا کر بحیرہ عرب میں نہ پھینک دیں! ہم ہار نہ مانیں گے۔ پاکستان کی حفاظت کے لیے میں تنہا لڑوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں سکت اور جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے۔ مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر کبھی کوئی ایسا وقت آجائے کہ پاکستان کی حفاظت کے لیے جنگ لڑنا پڑے تو کسی صورت میں ہتھیار نہ ڈالیں اور میدانوں میں، جنگلوں میں، پہاڑوں میں، دریاؤں میں جنگ جاری رکھیں۔“

طالب علموں سے قائد اعظم کو بے حد محبت تھی۔ جب کبھی طالب علم انہیں اپنے ہاں بلاتے یا ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپ اپنے بہت ضروری کام چھوڑ کر انہیں وقت دیتے۔ آپ نے طالب علموں کو نصیحت کی۔

”آپ تعلیم پر پورا دھیان دیں۔ اپنے آپ کو عمل کے لیے تیار کریں۔ یہ آپ

کا سب سے پہلا فرض ہے۔ آپ کی بھلائی، آپ کے والدین کی بھلائی بلکہ ساری مملکت کی بھلائی اس میں ہے کہ آپ صرف علم حاصل کرنے کی طرف توجہ دیں۔ تعلیم ہماری قوم کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ دنیا اتنی تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے کہ اگر آپ نے اپنے آپ کو تعلیم یافتہ نہ بنایا تو نہ صرف یہ کہ آپ پیچھے رہ جائیں گے بلکہ خدا نخواستہ بالکل ختم ہو جائیں گے۔ تعلیم کی اشاعت کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اس مقصد کی خاطر جتنی بھی مصیبتیں جھیلی جائیں کم ہیں۔“

قائد اعظم زندہ باد

## مشق

- 1 - قائد اعظم کے معنی کیا ہیں؟
- 2 - قائد اعظم نے بڑا آدمی بننے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا؟
- 3 - طالب علموں کو قائد اعظم کی نصیحت کے مطابق کیا کرنا چاہیے؟
- 4 - محو۔ عظیم۔ نجات۔ کُندن۔ جدوجہد۔ خواتین۔ اسوہ حسنہ۔ اشاعت۔ دریغ کرنا۔ خدا نخواستہ کے معنی یاد کیجیے اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔
- 5 - اچھا پاکستانی بننے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ اپنے ساتھیوں سے اس کے متعلق بات چیت کیجیے۔
- 6 - ایک چارٹ پر قائد اعظم کے اصولِ خوش خط لکھیے۔
- 7 - حرف اس لفظ کو کہا جاتا ہے جس کے اپنے کچھ معنی نہ ہوں لیکن وہ جملہ بنانے میں مدد دیتا ہو مثلاً میں، سے، کو وغیرہ۔ آپ اس سبق کے پہلے پیرے سے دس ایسے حروف پختے۔
- 8 - ان الفاظ پر اعراب لگائیے۔ نجات۔ جدوجہد۔ اسوہ حسنہ۔ اشاعت۔



# چاند میری زمیں بھول میرا وطن

چاند میری زمیں بھول میرا وطن  
میرے کھیتوں کی مٹی میں لعل مین



میرے ملاج لہروں کے پالے ہوئے  
میرے دہقان پسینوں کے ڈھالے ہوئے  
میرے مزدور اس دور کے کوہکن  
چاند میری زمیں بھول میرا وطن



میرے فوجی جواں، جرأتوں کے نشاں  
میرے اہل قلم عظمتوں کی زباں  
میرے محنت کشوں کے سنہرے بدن  
چاند میری زمیں بھول میرا وطن



میری سرحد پہ پرا ہے ایمان کا  
میرے شہروں پہ سایہ ہے قرآن کا  
میرا اک اک سپاہی ہے خیر شکن  
چاند میری زمیں بھول میرا وطن



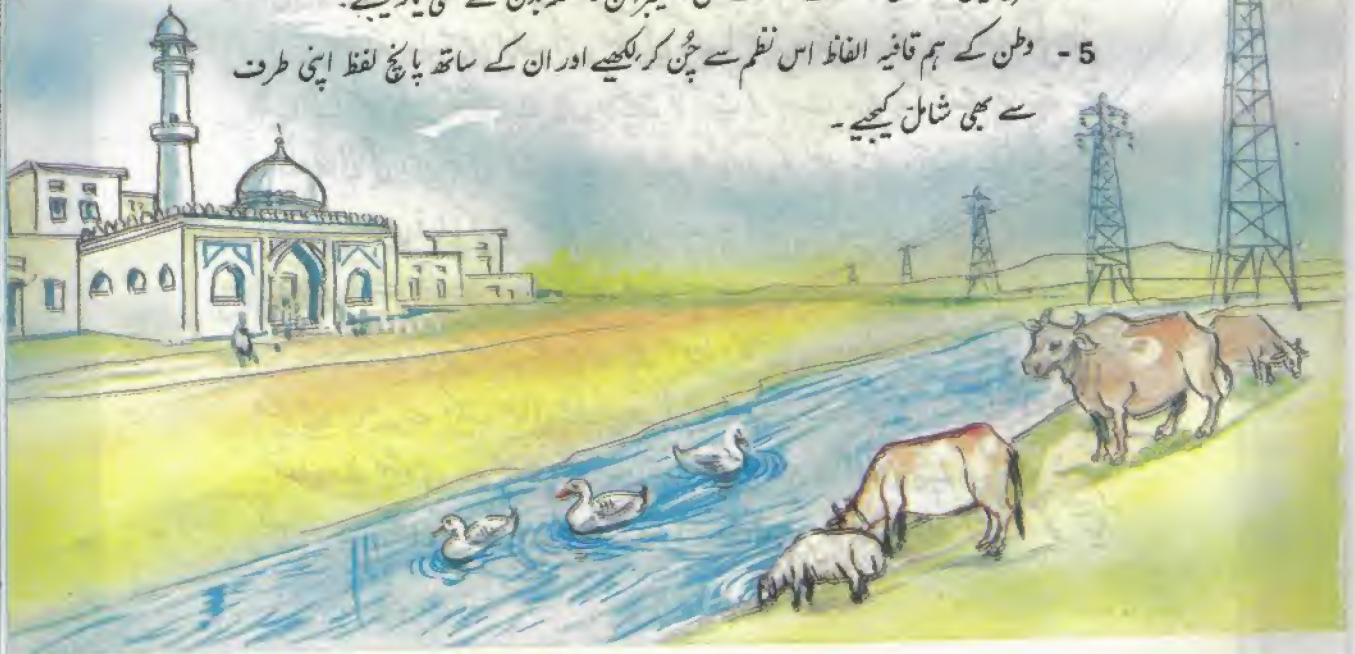


میرے دہقائ یوں ہی ہل چلاتے رہیں  
میری مٹی کو سونا بناتے رہیں  
گیت گاتے رہیں میرے شعلہ بدن  
چاند میری زمیں پھول میرا وطن

(ساقی جاوید)

## مشق

- 1- یہ نغمہ زبانی یاد کیجیے اور ساتھیوں کے ساتھ مل کر پڑھیے۔
- 2- شاعر نے اپنے ہم وطنوں کی جو خوبیاں بیان کی ہیں، وہ سادہ الفاظ میں لکھیے۔
- 3- کسی رسالے یا کتاب سے اپنی پسند کا قومی نغمہ اپنی کاپی میں لکھیے۔
- 4- لعل مین۔ کوہ کن۔ عظمت۔ محنت کش۔ خیرشکن۔ شعلہ بدن کے معنی یاد کیجیے۔
- 5- وطن کے ہم قافیہ الفاظ اس نظم سے چُن کر لکھیے اور ان کے ساتھ پانچ لفظ اپنی طرف سے بھی شامل کیجیے۔





## حضرت عثمان غنی کا ایشار

ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے آئے تھے۔ آپ کے ساتھی بھی مدینے میں آپ کے ساتھ تھے۔ مسلمانوں کی مالی حالت بہت خراب تھی اور وہ بڑی تنگی سے زندگی بسر کر رہے تھے۔

اُن دنوں مدینے کے قریب سیٹھے پانی کا ایک ہی کنواں تھا جس کا نام بڑ رومہ تھا۔ عربی میں کنویں کو بڑ کہتے ہیں۔ بڑ رومہ کا مالک ایک یہودی تھا جو بڑا لالچی اور سنگدل آدمی تھا۔ وہ اپنے کنویں کا پانی فروخت کیا کرتا تھا۔ یوں تو وہ سبھی کے ساتھ سختی سے پیش آتا لیکن مسلمانوں سے اُسے خاص طور پر نفرت تھی۔ اس لیے وہ مسلمانوں کے ہاتھ اور بھی مہنگے داموں پانی بیچتا۔ کئی بار ایسا ہوتا کہ کوئی غریب مسلمان کنویں پر پانی لینے آتا تو یہودی پانی دینے سے انکار کر دیتا۔

مدینے کے سبھی لوگ اُس سنگدل کے ہاتھوں تنگ تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تکلیف میں دیکھتے تو آپ کو بہت رنج ہوتا۔ آپ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے سب انسانوں کو نفع پہنچے۔ آپ نے ایک دن مسجد میں اعلان فرمایا کہ جو شخص یہودی سے یہ کنواں خرید کر وقف کر دے گا، اللہ تعالیٰ اُسے جنت عطا کرے گا۔

یہ سُن کر ہر صحابی نے دل میں سوچا، کاش یہ سعادت اسے حاصل ہو جائے! اتنے میں ان میں سے ایک صحابی چُپکے سے اُٹھے اور بیدھے اُس یہودی کے پاس پہنچے۔ اُنھوں نے یہودی سے کنویں کا سودا کرنا شروع کیا۔ وہ کنواں بیچنے پر آمادہ نہ تھا لیکن جب اُنھوں نے اُسے یقین دلایا کہ وہ اُسے مٹہ مانگے دام دینے کو تیار



ہیں تو وہ اس شرط پر مان گیا کہ چار ہزار درہم  
میں کنویں کا صرف آدھا حصہ فروخت کرے گا  
اور کنویں پر ایک دن مسلمانوں کا حق ہوگا اور دوسرے دن  
یہودی کا۔ اُس صحابی نے یہ شرط مان لی اور فوراً رقم ادا کر دی۔

جس دن کنویں پر مسلمانوں کی باری ہوتی اُس دن ہر شخص کو اجازت ہوتی کہ وہ  
جتنا چاہے پانی لے لے۔ حتیٰ کہ مدینے کے یہودی بھی اُس دن مفت اور جی بھر کر  
پانی لے لیتے۔ اگلے دن جب یہودی کی باری ہوتی تو کوئی بھی اُس سے پانی خریدنے نہ  
آتا۔ رفتہ رفتہ اُس کا کاروبار ختم ہو گیا۔ مجبور ہو کر اُس نے آدھا حصہ بھی بیچ دیا۔ اس طرح  
حضور کے صحابی نے کنواں خرید کر وقف کر دیا۔ حضور کے اس صحابی کا نام عثمان بن عفان تھا۔  
حضرت عثمان غنیؓ کے بہت بڑے تاجر تھے۔ اُن کی تجارت دُور دُور تک پھیلی  
ہوئی تھی۔ اُن کے تجارتی قافلے دُوسرے ممالک میں مال لے کر جاتے اور بہت سانسفیع  
لما کر لاتے۔ اُن کے پاس بہت سی دولت تھی، لیکن آپ اپنی دولت کو اللہ کی راہ  
میں خرچ کر دیتے تھے۔ مسلمانوں پر جب کبھی تنگی کا وقت آتا تو حضرت عثمان غنیؓ اپنی خدایات  
پیش کر دیتے۔ انھیں اپنے مال و دولت سے محبت نہ تھی بلکہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ  
سے سچا پیار تھا۔ حضور کے دل میں بھی اُن کی بڑی جگہ تھی، چنانچہ آپؐ نے یکے بعد دیگرے  
اپنی دو بیٹیوں حضرت رقیہؓ اور حضرت اُمّ کلثومؓ کی شادی ان کے ساتھ کی تھی۔  
حضرت عثمان غنیؓ نے اللہ کی خاطر دوبار ہجرت کی۔ سب سے پہلے جب مسلمان نبی کریمؐ  
کے حکم کے مطابق مکہ سے حبشہ کو روانہ ہوئے تو حضرت عثمان غنیؓ اس پہلے گروہ میں شامل  
تھے۔ اس کے بعد جب اللہ کے حکم سے حضور بھی ہجرت فرما کر مدینے جانے کو تیار ہوئے  
تو حضرت عثمان غنیؓ اپنی ساری جائیداد مکے میں چھوڑ کر ہجرت کر گئے اور ہمیشہ کے لیے مدینے  
کے ہو رہے۔

حضرت عثمان غنیؓ انسانوں کی بھلائی اور مسلمانوں کی بہبود کے لیے دل کھول کر مال



خرچ کرتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر تمام صحابہؓ نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق جہاد کے لیے مال جمع کرایا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے آدھی فوج کے تمام اخراجات اپنے ذمے لے لیے۔ اس کے علاوہ انھوں نے نو سو پچاس گھوڑوں اور اونٹوں کا انتظام بھی کیا۔

حضرت عثمان غنیؓ دل کے بہت سخی تھے۔ انھیں دولت اور سخاوت کی وجہ سے غنی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ وہ کسی سائل کو خالی ہاتھ نہ لوٹاتے تھے۔ خود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کا لباس سادہ اور کم قیمت ہوتا تھا۔ وہ عام مسلمانوں میں اس طرح بیٹھتے تھے کہ کسی طرح کا امتیاز نظر نہیں آتا تھا۔ اپنی خلافت کے زمانے میں بھی اکثر مسجد نبوی ہی میں چادر بچھا کر سو جاتے۔ وہ بہت مہمان نواز تھے۔ اپنے مہمان کو پُر ملکف کھانا پیش کرتے لیکن اپنے لیے سادہ اور معمولی غذا پسند کرتے تھے۔

ایک دفعہ مدینے میں قحط پڑ گیا۔ شہر میں غلہ کہیں میسر نہ تھا اگر کہیں سے غلہ مل بھی جاتا تو وہ اس قدر مہنگا ہوتا کہ غریب لوگ اسے خریدنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے۔ انھی دنوں حضرت عثمان غنیؓ کا تجارتی قافلہ آگیا۔ اس قافلے میں غلے کے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹ تھے۔ ابھی یہ قافلہ شہر سے دُور تھا کہ غلے کے تاجروں کو پتا چل گیا۔ تاجر حضرت عثمان غنیؓ کے پاس غلے کا سودا کرنے کے لیے پہنچ گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ نے تاجروں سے پوچھا ”بتاؤ ملک شام کی خریداری کے مہبائو پر تم کیا نفع دو گے؟“ انھوں نے کہا ”دس کے بارہ لے لیجیے۔“ انھوں نے فرمایا ”مجھے اس سے زیادہ نفع مل رہا ہے۔“ تاجروں نے کہا ”دس کے پندرہ لے لیجیے۔“ انھوں نے پھر وہی جواب دیا کہ مجھے اس سے زیادہ نفع مل رہا ہے۔ سودا کرتے کرتے تاجر دو گنا نفع دینے پر آمادہ ہو گئے لیکن آپ نے فرمایا ”مجھے تو دس گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ نفع مل رہا ہے۔ اس لیے میں آپ لوگوں کے ہاتھ غلہ نہیں بیچ سکتا۔“ تاجروں نے کہا ”اتنا نفع دینا تو ہمارے بس میں نہیں سب تاجر حیران تھے کہ وہ کون ہے جو ان کو اتنا زیادہ نفع دے کر اتنے مہنگے داموں غلہ خرید رہا ہے۔ اسی



اتنا میں تجارتی قافلہ مدینے آ پہنچا۔ اونٹوں سے غلہ اُترنا شروع ہوا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے حکم دیا کہ تمام غلہ ایک جگہ ڈھیر کر دیا جائے۔ اس کے بعد آپ نے سارے شہر میں منادی کرا دی کہ مدینے کے تمام محتاج اور فقیر لوگ آئیں اور اپنی اپنی ضرورت کے مطابق غلہ لے جائیں۔ منادی سن کر لوگ دوڑے آئے اور سب اپنی اپنی ضرورت کے مطابق غلہ اٹھا کر لے گئے۔ سارا غلہ مدینے والوں میں تقسیم ہو گیا۔ قحط کی تنگی دور ہو گئی۔ یہ بات اب تاجروں کی سمجھ میں بھی آ گئی کہ اتنا نفع دینے والا کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو آدمی اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرے گا، اللہ تعالیٰ اُسے دس گنا یا اس سے بھی زیادہ اجر دے گا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کو ترجیح دی اور دنیاوی مال کی پروا نہ کی۔

## مشق

- 1 - حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت کیسے کاموں پر خرچ کی؟
  - 2 - حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تاجروں کے ہاتھ غلہ کیوں فروخت نہ کیا؟
  - 3 - بر روم کا واقعہ کہانی کی صورت میں بیان کیجیے۔
  - 4 - ہجرت - سنگدل - وقف کرنا - صحابی - سائل اور قحط کو تہمتی ترتیب سے لکھیے اور ان کے معنی درج کیجیے۔
  - 5 - مہنگے داموں - بلکنا - مٹہ مانگے دام - رفتہ رفتہ - منادی کرنا کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔
  - 6 - "کاش" ایسا حرف ہے جو خواہش یا تمنا کو ظاہر کرنے کے لیے بولا جاتا ہے۔ بتائیے نیچے لکھے ہوئے حروف کن موقعوں پر بولے جاتے ہیں؟
- واہ وا۔ شاباش۔ اقول۔ ہائے ہائے۔



## اُستاد کا احترام

خلیفہ ہارون الرشید مسلمانوں کا ایک مشہور خلیفہ تھا۔ اس کے زمانے میں مسلمانوں کی سلطنت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ ہر طرف علم کا چرچا تھا اور لوگوں کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ علما اور اساتذہ کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ خلیفہ خود بھی علما اور اساتذہ کا بے حد احترام کرتا تھا اور اس کے دربار میں انھیں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ خلیفہ کے دو بیٹے تھے، ایک کا نام مامون تھا اور دوسرے کا امین۔ دونوں صاحبزادوں کو علم حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنے اساتذہ کی بہت عزت کرتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ دونوں صاحبزادے اپنے والد خلیفہ ہارون الرشید کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے جامع مسجد میں گئے۔ اُس مسجد میں مامون اور امین کے اُستاد بھی موجود تھے۔ جب جمعہ کی نماز ختم ہوئی اور لوگ اپنے اپنے جوتے اٹھائے مسجد سے باہر جانے لگے تو دونوں صاحبزادے مسجد کے اس کونے کی طرف لپکے جہاں اُن کے اُستاد محترم کے جوتے رکھے ہوئے تھے۔ دونوں میں سے ہر ایک کی خواہش یہ تھی کہ وہ آگے بڑھ کر اپنے اُستاد کے جوتے اٹھائے۔ لیکن اتفاق یہ کہ دونوں ایک ساتھ وہاں پہنچے اور ایک نے ایک جوتا اٹھا لیا، دوسرے نے دوسرا۔ خلیفہ ہارون الرشید ذرا فاصلے پر کھڑا یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔

اگلے روز جب خلیفہ اپنے مصاحبوں، وزیروں اور دوستوں کے ساتھ دربار میں بیٹھا تو اُس نے اُن سے پوچھا: ”تمہارے خیال میں سب سے زیادہ خوش نصیب انسان کون ہے؟“

مصاحبوں میں سے ایک نے جواب دیا: ”حضور آپ کو خدا نے مسلمانوں کا



خلیفہ بنایا ہے اور یوں آپ کا رتبہ سب سے بلند کیا ہے۔ آپ سے زیادہ خوش نصیب  
بھلا اور کون ہو گا؟“ خلیفہ نے کہا: ”نہیں! ایک شخص مجھ سے بھی زیادہ خوش نصیب ہے“  
مصاحبوں نے پوچھا: ”حضور وہ کون شخص ہے؟ ہم بھی تو جانیں!“

خلیفہ نے جواب دیا: ”سب سے زیادہ خوش نصیب وہ استاد ہے جس کے  
جوئے خلیفہ وقت کے بیٹے اٹھاتے ہیں اور اسے اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔“

استاد بلاشبہ دنیا کا سب سے خوش نصیب شخص ہے۔ خوش نصیب اس لحاظ  
سے کہ اسے وہ فرض سونپا گیا ہے جو خدا نے اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو سونپا تھا، یعنی  
لوگوں کو تعلیم دینا اور دنیا کو علم کی روشنی سے منور کرنا۔ علم کا درجہ بہت بلند ہے اور جو شخص  
خود علم حاصل کرتا ہے اور پھر اس علم کو آگے پھیلاتا ہے، اس کا رتبہ یقیناً بہت ہی بلند  
ہے۔ جب استاد نہیں تھا تو دنیا میں جہالت کی تاریکی تھی۔ استاد نے اس تاریکی میں علم  
کی شمع روشن کی تو یہ اندھیرا اُجالے میں بدل گیا۔ علم کی بدولت دنیا میں تہذیب کا نور  
پھیلا۔ لوگوں کو رہنے سہنے کا سلیقہ آیا۔ ہر لحاظ سے ترقی ہوئی۔ چونکہ اس ترقی اور تہذیب کا نور  
سہرا استاد کے سر ہے اس لیے استاد کا احترام ہم سب پر لازم ہے۔

اسلام میں استاد کا رتبہ بہت بلند ہے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا  
ارشاد ہے کہ استاد کی حیثیت روحانی باپ کی ہے اور اس کا حق اپنے شاگردوں پر اتنا ہی  
ہے جتنا کسی باپ کا حق اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے مجھے ایک حرف بھی پڑھادیا  
وہ میرا آقا قرار پایا۔ اگر ایک حرف پڑھانے والے استاد کا رتبہ اس  
قدر بلند ہے تو اس استاد کی عظمت اور رتبے کا اندازہ لگائیے جو  
انسان کو نہ صرف علم کے زیور سے آراستہ کرتا ہے بلکہ اسے کامیاب زندگی بسر کرنے کے  
آداب بھی سکھاتا ہے۔



اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ جو شاگرد اپنے اساتذہ کی زیادہ عزت کرتے ہیں، وہ علم کے میدان میں اپنے ساتھیوں سے سبقت لے جاتے ہیں اور جو طالب علم اپنے اساتذہ کو قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، وہ علم حاصل کرنے میں دوسروں سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ظاہر ہے استاد ایسے شاگردوں کی طرف زیادہ توجہ دیتے ہیں جو ان کی عزت کرتے ہیں۔ یوں بھی علم ایک دولت ہے اور یہ دولت صرف اسی کو ملتی ہے جو اس کی اور اس دولت کے دینے والے کی قدر کرتا ہے۔

یہ بات تو اب ہر شخص جانتا ہے کہ استاد کی شخصیت احترام کے لائق ہے لیکن ہمیں یہ بھی جاننا چاہیے کہ احترام سے کیا مراد ہے اور ہم استاد کا کس طرح احترام کر سکتے ہیں۔ احترام سے مراد ادب سے پیش آنا ہے، یعنی استاد کا ادب کرنا۔ اس سے ملاقات ہو تو سلام میں پہل کرنا، استاد کے ہر حکم کی تعمیل کرنا، استاد کی ضرورت کو اپنی ضرورت جاننا اور اس کے کام کو اپنا کام سمجھنا۔ لیکن احترام کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ استاد جو کچھ پڑھائے ہم اسے توجہ سے پڑھیں، تعلیم کے دوران میں شوق اور دلچسپی کا ثبوت دیں، گھر کا کام توجہ سے کر کے لائیں اور کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے استاد ناراض ہو۔

قوموں کی ترقی علم پر موقوف ہے اور علم کی ترقی کا دار و مدار استاد کی ذات پر ہے۔ استاد کی عزت جس قدر زیادہ ہوگی، اس کا رتبہ جس قدر بلند ہوگا، علم اسی قدر زیادہ پھیلے پھولے گا اور ملک ترقی کرے گا۔ جو قوم اپنے استاد کی عزت کرنا نہیں جانتی، وہ قوم کبھی ترقی نہیں کر سکتی۔ قومی زندگی میں استاد کی حیثیت روشنی کے مینار کی سی ہے جو لوگوں کو سلامتی کا راستہ دکھاتا ہے اور انہیں حفاظت سے منزل پر پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ اس کی حیثیت ایک ایسے ستارے کی ہے جس کی روشنی میں بھولے بھٹکے مسافر اپنی راہ تلاش کر سکتے ہیں اور ایک ایسے چراغ کی ہے جس سے ہزاروں چراغ جلتے ہیں۔ سچ پوچھیے تو استاد پوری قوم کا محسن ہوتا ہے اور محسن کا احترام قوم کے ہر شخص پر لازم ہے۔

## مشق

- 1- احترام سے کیا مراد ہے؟
- 2- اُستاد کے احترام کا کیا مطلب ہے؟
- 3- "اُستاد قوم کا عَظَمٰی ہے۔ اس پر ایک چھوٹا سا مضمون لکھیے۔"
- 4- اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:  
ماجرا - سلیقہ - سبقت لے جانا - دلچسپی - عَظَمٰی۔
- 5- نیچے لکھے ہوئے مرکبات کو دیکھیے۔ یہ دو دو لفظوں سے مل کر بنے ہیں۔ ان کے معنی سمجھیے اور ایسے مرکب بنانے کی کوشش کیجیے:  
اُستادِ مَترَم - خلیفہٗ وقت - باعثِ فخر - دار و مدار۔
- 6- علما - اساتذہ - ممالک - خدمات کے واحد بتائیے۔







## علم کے فائدے

علم اک لازوال دولت ہے  
علم ہی سے خدا کو پہچانا  
علم ہی سب ہنر سکھاتا ہے  
علم سے آدمی کی عزت ہے  
علم نے عقل کو چلا دی ہے  
ہر سمندر میں تیرنے کے لیے  
ہر طرف اڑ رہے ہیں طیائے  
علم کی دھن چسے لگی ہی نہیں

علم اک بے مثال طاقت ہے  
علم ہی سے بُرا بھلا جانا  
علم ہی آدمی بناتا ہے  
علم سے آدمی میں ہمت ہے  
نئی دُنیا ہمیں دکھا دی ہے  
بن گئے علم سے جہاز نئے  
ہیں بنے علم ہی سے یہ سارے  
سچ تو یہ ہے، وہ آدمی ہی نہیں

یہ اثر ہو دُعا ئے نیر میں  
علم کی روشنی ہو گھر گھر میں

(شفیع الدین نیر)

## مشق

- 1- اس نظم میں علم کے جو فائدے بیان کیے گئے ہیں، انہیں سادہ لفظوں میں لکھیے۔
- 2- ”علم لازوال دولت ہے“ اس کی وضاحت کیجیے۔
- 3- لغت سے ان الفاظ کے معنی تلاش کیجیے:- بُرا بھلا جانا، چلا دینا، دُھن لگنا، نئی دُنیا دکھانا۔
- 4- ”علم کی روشنی گھر گھر میں ہو“ اس میں لفظ گھر دوبار استعمال ہوا ہے۔ آپ بھی پانچ ایسے جملے بنائیے جن میں کوئی لفظ دوبار استعمال ہوتا ہو۔ مثلاً سوداگر ملک ملک کی سیر کرتے ہیں۔ سورج کی روشنی دُور دُور تک پھیل گئی۔



## اسلامی ممالک کا اتحاد

ہم مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب تک ہم مل جل کر رہے مضبوط اور طاقت ور رہے اور دشمن پر غالب رہے، لیکن جب ہم نے اتحاد کو چھوڑ دیا، کمزور ہو گئے اور دشمن ہم پر غالب آگیا۔

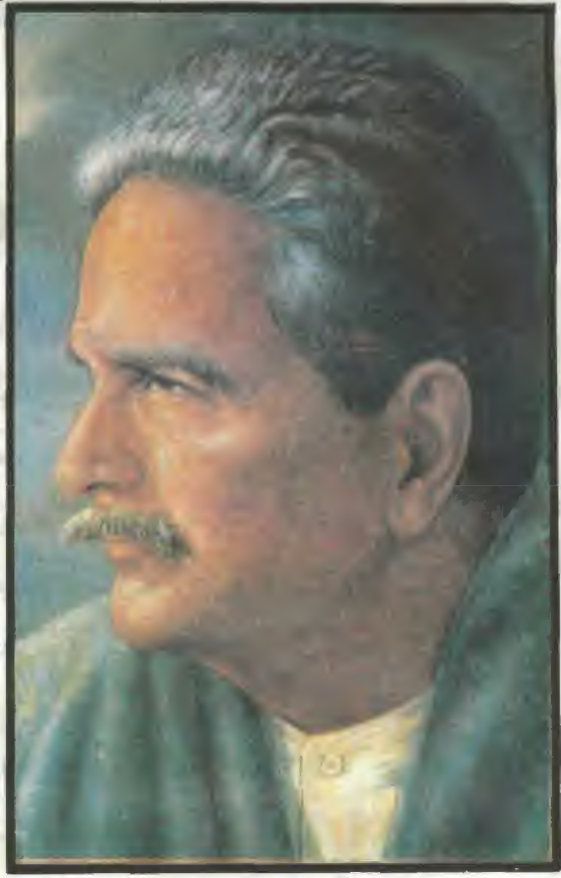
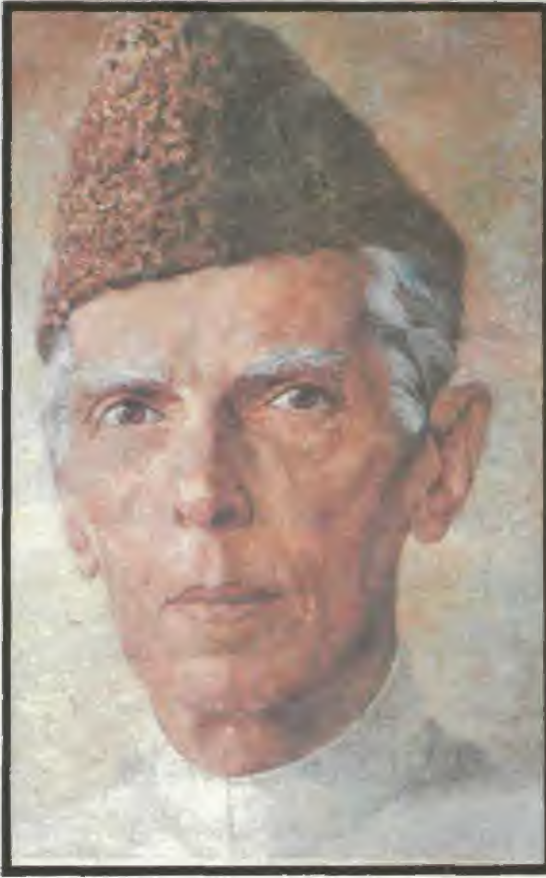
دور کیوں جائیے، پاکستان ہی کو لیجیے! یہ ملک اس نام سے دنیا میں موجود نہ تھا۔ یہاں کے مسلمان ایک طرف انگریز کے غلام تھے اور دوسری طرح ہندو ان پر غلبہ پا رہے تھے۔ ان دونوں سے آزادی حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ یہاں کے مسلمان آپس میں متحد ہو جائیں اور اپنے اختلافات ختم کر دیں۔ انھی دنوں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بڑے نیک اور مخلص رہنما بخشے، جنہوں نے اسلامی اتحاد کے لیے بڑی محنت کی اور بڑی قربانیاں دیں۔ سرسید، جمال الدین افغانی، مولانا شوکت علی، محمد علی جوہر علامہ اقبال اور قائد اعظم، یہ سب مسلمانوں کے عظیم رہنما تھے۔ انہوں نے پوری قوم کو متحد کر دیا۔ انہیں ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا۔ اس جذبے کے تحت ہندوستان کے مسلمانوں نے متحد ہو کر ایک آزاد اسلامی ریاست کا مطالبہ کر دیا اور چند سال کی مسلسل جدوجہد سے ایک آزاد اسلامی ریاست پاکستان کے نام سے قائم کر لی۔

اب عربوں کی مثال لیجیے۔ چند برس پہلے تک ان میں اتفاق نہ تھا۔ مصر، شام، عراق، اردن، سعودی عرب غرض کہ تمام ممالک باہمی اختلافات کا شکار تھے۔ ان کی نا اتفاقی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہی کی سرزمین پر یہودیوں کو آباد کر دیا گیا اور اسرائیل کے نام سے ایک نیا ملک قائم ہو گیا۔ پھر اسی اسرائیل نے عربوں کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مصر، شام اور اردن پر حملہ کر کے ان ملکوں کے بہت سے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ انہی علاقوں میں مسلمانوں کا پیارا شہر بیت المقدس بھی تھا۔





جب عربوں نے اپنے آپ کو بٹتے دیکھا تو ان میں یہ احساس پیدا ہوا کہ انہیں اکٹھے ہو کر اسرائیل کا مقابلہ کرنا چاہیے، چنانچہ انہوں نے آپس میں متحد ہونے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ کوشش سعودی عرب کے شاہ فیصل شہید نے کی۔ عربوں نے فیصلہ کیا کہ اب ہم اپنے علاقے اسرائیل سے واپس لے کر رہیں گے۔ بیت المقدس کو آزاد کرائیں گے۔ عربوں نے متحد ہو کر اسرائیل سے جنگ کی اور بہت سا علاقہ آزاد کر لیا۔ لیکن ابھی بہت سے علاقے واپس لینا باقی ہیں، فلسطین کو بھی آزاد کرانا ہے۔ یہ سب کچھ اتحاد سے ہوگا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت دُنیا کے تمام مسلمانوں میں اتحاد کا احساس پیدا ہو چکا ہے۔ سب اسلامی ممالک ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں۔ اسلامی سربراہوں



کی کانفرنس جو 1974ء میں لاہور میں منعقد ہوئی، اس اتحاد کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔ اب اسلامی ممالک میں خدا کے فضل سے تعاون بڑھ رہا ہے۔ ان کی دوستی مضبوط ہو رہی ہے۔

تیل کی دولت جو موجودہ زمانے میں سب سے بڑی دولت ہے، انھی کے پاس ہے۔ معدنیات کے ذخیرے انھی کے پاس ہیں۔ ہری بھری کھیتیاں اور باغات ان کے پاس ہیں اور ان سب سے بڑھ کر محنتی اور جفاکش انسان جو دنیا پر چھا جانے کا عزم اور حوصلہ رکھتے ہیں، وہ بھی یہاں موجود ہیں۔ صرف ایک کمی اتحاد کی تھی، وہ بھی اب خدا کے فضل سے پوری ہو رہی ہے۔ اس لیے اب ان ملکوں کو چاہیے کہ ایک دوسرے سے پورا تعاون کریں، امن ہو یا جنگ ہر حال میں ایک دوسرے کا ساتھ دیں۔



- 1- مسلمانوں نے پاکستان بنانے کے لئے کیا کوششیں کیں؟
  - 2- آپس کے اتحاد سے مسلمانوں کو کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں؟
  - 3- لاہور کی اسلامی سربراہی کانفرنس میں شرکت کرنے والے ممالک میں سے دس کے نام لکھیے۔
  - 4- اسلامی ممالک کی ٹکنوں اور پرچموں کی تصویریں حاصل کر کے اپنے البم میں لگائیے۔
  - 5- اس سبق میں سے دس ایسے الفاظ چُن کر لکھیے جو کام کرنے کے معنی دیتے ہوں۔ مثلاً  
آتا ہے، گیا تھا، لکھا وغیرہ۔ جو لفظ کام کرنے کے معنی دے اور اس میں زمانہ بھی پایا جاتا ہو، وہ فعل کہلاتا ہے۔
  - 6- اتفاق کی برکتوں کے متعلق ایک کہانی اپنے الفاظ میں لکھیے:

## گندم کی کٹائی

بیساکھی کا میلہ ختم ہوا۔ لوگ میلے سے خوش خوش گھروں کو لوٹے۔ گندم کی فصل پک کر تیار ہو چکی ہے۔ اب جلد ہی کھیتوں میں درانتی پڑ جائے گی۔ فصل کٹنا شروع ہوگی تو گاؤں کا ہر آدمی مصروف ہو جائے گا۔ کیا مرد، کیا عورت سبھی فصل سیٹھنے میں کسی نہ کسی طرح ضرور حصہ لیں گے۔ بیساکھ کی آمد کسان کے لیے ایک نئے دور کا پیغام لاتی ہے۔ یہ دور اس کی دن رات کی مشقتوں کا حاصل ہے۔ گندم کی کٹائی کے سامان کئی دنوں سے شروع تھے۔ برکت لوہار کی دکان پر ہر روز ہجوم رہتا تھا۔ ہر وقت کھٹ کھٹ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں اور اُس کے دونوں بڑے بیٹے درانتیاں تیز کرنے اور نئی درانتیاں بنانے میں مصروف تھے۔ گاؤں کے چند نوجوان بھی اُن کی مدد کے لیے دکان پر آ جاتے۔ کوئی دھونکنی چلاتا اور کوئی ہتھوڑے سے لوہا کوٹتا۔ آگ اور لوہے کا یہ کھیل بہت مشقت طلب ہے۔ کام کرنے والے پسینے میں شرابور ہو جاتے ہیں لیکن پھر بھی خوش نظر آتے ہیں اس لیے کہ دن رات محنت مشقت میں لگے رہنا ہی ان کی زندگی ہے اور اسی میں اُن کی خوشیوں کا راز پوشیدہ ہے۔





گاؤں کے ارد گرد دُور دُور تک گندم کے کھیت پھیلے ہوئے ہیں۔  
اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے اس سال فصل بہت اچھی ہے۔ گندم کے قد آور پودے



سُہرے سُہرے خوشوں سے لدے ہوئے ہیں۔ ہوا چلتی ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سونے  
کے سمندر میں لہریں اُٹھ رہی ہوں۔ محنت کا یہی وہ ثمرہ ہے جو کسان کی ہمت بڑھاتا  
اور اُس میں اور زیادہ کام کرنے کی اُمنگ پیدا کرتا ہے۔

اس سال نادر خاں نے پہل کی۔ رات کو گھر گھر جا کر بلایا دے آیا کہ کل  
صبح میرے ہاں ”ونگارت“ ہوگی۔ ”ونگارت“ پنجاب کی پرانی رسم چلی آتی ہے۔ یہ فصل کی کٹائی کی  
دعوت ہے جس میں گاؤں کے ہر شخص کو بلایا جاتا ہے۔ سبھی مل کر ایک یا دو دن میں

کسی ایک ساتھی کی فصل سمیٹ لیتے ہیں۔ پھر دوسرے کے ہاں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح مل جل کر چند ہی دنوں میں سارے کے سارے کھیت کاٹ ڈالتے ہیں۔ کٹائی کے دنوں میں یوں نظر آتا ہے کہ سارا گاؤں ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی کا نام ہمدردی اور تعاون ہے۔ ہمارے دین نے بھی ہمیں یہی سکھایا ہے۔

کٹائی کا دن آپہنچا۔ سراج ڈھول والا آج سویرے ہی جاگ اٹھا۔ جلدی جلدی منہ پر ایک دو جھینٹے مار، ڈھول اٹھا کر چوپال میں جا کھڑا ہوا اور زور زور سے ڈھول بجانے لگا۔ ڈھم ڈھم ڈھم۔ ڈھما ڈھم ڈھم۔ ڈھول پر چوٹ پڑی تو پورے گاؤں میں جوش و خروش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ نوجوان اور ادھیڑ عمر مرد اپنی اپنی درانتیاں سنبھالے چوپال کو روانہ ہوئے۔ لڑکے بالے بھی دوڑے آئے اور ڈھول کے گرد گھیرا ڈال کر ناچنے لگے۔

سب آہٹکے تو کھیتوں کی طرف روانہ ہوئے سراج ڈھول بجاتا جا رہا ہے۔ نوجوانوں کی ایک ٹولی بولیاں گا رہی ہے۔ دوسری ٹولی بھنگڑا ڈال رہی ہے۔ یہ دیہی مجاہدوں کی فوج ہے جو اپنے محاذ کی طرف رواں دواں ہے۔

کھیت پر پہنچ کر سب نے کام کرنے کے لیے کمر باندھ لی، تہمد اڑس لیے، کھدڑ کی موٹی چادریں سر پر لپیٹ لیں اور اُن کے پلو گردن اور پشت پر ڈال لیے تاکہ دھوپ کی تیزی سے کوئی گزند نہ پہنچے۔

گاؤں کے ایک بزرگ نے درانتی سنبھالی اور بسم اللہ کہہ کر ایک مٹھا کاٹ لیا۔ لیجیے کام شروع ہو گیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی پالی مقرر کر لی اور زور شور سے کٹائی کرنے لگا۔ سراج ایک طرف کھڑا ڈھول بجا رہا ہے۔ جب بھی وہ ڈھول کی تال بدلتا ہے، جوانوں میں جوش کی ایک نئی لہر ابھر آتی ہے اور اُن کے خون میں گرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ درانتیاں تیز۔ اور تیز۔ اور تیز چلنے لگتی ہیں۔



نوجوانوں کو اپنی جوانی پر ناز ہے۔ ادھیڑ عمر لوگوں کو اپنی عورت کا خیال ہے۔ سب ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کسی سے پیچھے نہ جانا اُن کی شان کے خلاف ہے۔ ڈھول کی دلولہ انگیز تال ، بزرگوں کی ہلاشری اور ساتھیوں سے مقابلے کا خیال ، ان کی طاقت میں لمحہ بہ لمحہ اضافہ کرتا ہے۔ سارا دن یہی دلولہ اور جوش رہے گا۔ ادھر ایک ٹولی پُولے باندھنے کا کام کر رہی ہے۔ فصل کاٹنے کے ساتھ ساتھ اس کا سمیٹنا بھی ضروری ہے۔ چند جوان پُولوں کے گھٹے اٹھا اٹھا کر ڈھیریاں جما رہے ہیں۔ یہاں پڑے پڑے یہ سُکھ جائیں گے تو کھلیاں تیار ہوگا اور گندم کاٹنے کا کام شروع ہو جائے گا۔

اس موقع پر بچے بھی کسی سے پیچھے نہیں رہتے۔ کچھ تو ڈھول کی گت پر ناچ گا رہے ہیں۔ ان کی خوش آوازی کام کرنے والوں کو لطف اندوز کرتی ہے۔ کچھ بچے پانی لانے اور پلانے کا کام انجام دے رہے ہیں اور کچھ پُولے باندھنے والوں کی مدد کر رہے ہیں۔ چند دلاور لڑکے ایسے بھی ہیں جو درانتیاں سنبھال کر جوانوں کے ساتھ کٹائی کرنے لگ گئے ہیں۔ کیوں نہ ہو، آخر کل انھی کو جوان ہو کر یہ سب کام سنبھالنا ہے۔ آج سیکھیں گے تو کل کریں گے۔ دیہاتی عورتیں بھی مردوں کے برابر کام کرتی ہیں۔ کچھ تو گاؤں ہی میں ”ڈنگار“ والوں کے لیے کھانا تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ کچھ کھیتوں پر آہنچی ہیں۔ پودے کٹتے وقت سٹے ٹوٹ ٹوٹ کر گرتے رہتے ہیں۔ پُولے اٹھنے کے بعد عورتیں گرتے ہوئے سٹے چن چن کر سمیٹتی جاتی ہیں۔ یہ نہ کریں تو بہت سا غلہ ضائع ہو جائے۔ اتنی محنت سے حاصل ہونے والا کوئی دانہ ضائع نہیں ہونا چاہیے۔

## مشق

- 1 گندم کی کٹائی کس موسم میں ہوتی ہے؟
- 2 دیہات میں عام طور پر کٹائی کا طریقہ کیا ہے؟
- 3 گندم کی کٹائی کا سماں اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
- 4 آپ نے جو میلا دیکھا ہو، اُس کا حال کہانی کی صورت میں لکھیے۔
- 5 ان الفاظ کے معنی لغت میں دیکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے۔  
مشقت طلب۔ شرابور۔ پوشیدہ۔ ٹمرہ۔ اُننگ۔ چوپال۔ گزٹڈ۔ محاذ۔ لمحہ بر لمحہ۔ ولولہ انگیز۔
- 6 اُستاد سے پوچھ کر دیسی مینوں کے نام یاد کیجیے (جیسے جیت، بيساکھ، .....)
- 7 دھونکی۔ ہتھوڑا وغیرہ لوہاروں کے اوزار ہیں۔ اسی طرح کچھ دوسرے پیشہوروں کے ہتھیاروں کے نام لکھیے۔





## فالتو کون؟



کنو ایک موٹی سی لال مرغی کا نام تھا۔ وہ ایک مغرور مرغی تھی۔ اپنے سوا کسی کو خاطر میں نہ لاتی تھی اور جب وہ انڈا دیتی، پھر تو اس کے مزاج ہی نہ ملتے۔ کٹاک کٹاک کرتے گھر سر پر اٹھا لیتی کہ لوگو دیکھو میں نے انڈا دیا۔ گھر میں لوگ ہی کتنے تھے۔ رحمت جولاہا اور اُس کی بوڑھی بیوی۔

رحمت جوان تھا تو اُس کے بنائے ہوئے تھان بازار میں ہاتھوں ہاتھ یک جاتے تھے پر اب وہ

بوڑھا ہو گیا تھا۔ اُس نے یہ کام چھوڑ دیا تھا۔ شہر میں کپڑے کی دکانیں کھلیں تو اس کے دونوں بیٹے شہر جا کر کام کرنے لگے۔ اتنے بڑے گھر میں میاں بیوی کا دل نہ لگتا تھا۔ بستی سے کچھ فاصلے پر رحمت کی بیگیا بھڑ زمین تھی۔ اسی پر اُس نے چھوٹا سا گھر بنا لیا۔ بستی والا گھر بیچ کر ایک ریڑھی اور ایک گھوڑا خرید لیا۔ چند خوبصورت اور چمکتے گھوڑا تھا۔ اس کے ماتھے پر سفید چاند بنا تھا۔ اسی لیے رحمت اس کو چندو کے نام سے پکارتا تھا۔

اسی گھوڑا گاڑی پر رحمت کی گزر بسر ہونے لگی۔ چندو گھر میں آیا تو کنو کو کچھ اچھا نہ لگا۔ پہلے تو رحمت اور اُس کی بیوی سارا دن کنو ہی کے آگے پیچھے رہتے تھے۔ اب بڑے میاں کو ہر وقت چندو ہی کی فکر لگی رہتی تھی۔ کبھی ٹوکا مشین پر کھڑے ہو کر اُس کے لیے چاراکاٹ رہے ہیں کبھی چنے بھگو رہے ہیں صبح شام کھیرا لے کر اُس کا بدن صاف کرتے اور

کنویں سے ڈول نکال نکال کر چندو کو نہلاتے۔

کتو دل ہی دل میں سخت ناراض ہوئی۔ اے لو! میں تو ہر روز یہ بڑا سا انڈا ان کو دیتی ہوں اور بڑے میاں ہیں کہ چندو کے آگے پیچھے پھرا کرتے ہیں اور یہ بڑی بی بھی تو بس ایسی ہی ہیں۔ جب دیکھو ادھل میں چنے ڈالے چندو کے لیے کوٹے جا رہے ہیں۔

ایک دن بڑے میاں بستی سے واپس آئے تو ان کے ساتھ ایک چھوٹا سا گٹا ڈبو بھی تھا۔ کہنے کو تو ڈبو، چندو گھر کی چوکیداری کے لیے لائے گئے تھے، مگر بڑے میاں اور بڑی بی کی آنکھ کا تارا بن بیٹھے تھے۔ جب دیکھو دودھ ٹھنڈا کر کے پیالے میں ڈال کر سامنے رکھا جا رہا ہے۔ کبھی گوشت اُبال کر آگے رکھا جا رہا ہے۔ ڈبو بھی رحمت کے ساتھ لگے پھرتے۔ دم ہلاتے اندر باہر پھرتے تو کٹو جل کر خاک ہو جاتی۔ آخر کار ایک دن اُس نے غصے میں آکر ہڑتال کر دی۔

پھول سوج کر دڑبے میں بیٹھ گئی۔ انڈا دینا بند کر دیا۔ کوئی ہاتھ لگانے کی کوشش کرتا تو اور بھی پر پھلا لیتی اور رُوٹھی رُوٹھی آوازیں نکال شروع کر دیتی۔ بڑی بی نے ایک شور مچا دیا۔ اے لو ہماری کٹو تو کڑک ہو گئی۔

کتو دل ہی دل میں خوب ہنسی۔ کٹو سمجھتی تھی کہ اس کے سوا دنیا کے تمام جانور فالتو ہیں، لیکن کٹو کو یہ پتا نہ تھا کہ رحمت کو بھی ہر طرح سے کام نکالنا آتا ہے۔ ایک روز رحمت نے ایک درجن انڈے لا کر کٹو کے نیچے رکھ دیے اور کہنے لگا ”لو کٹو! اب تم انڈوں پر بیٹھو۔ ہاں بھی فالتو بیٹھ کر کھانا بہت بُری بات ہے۔“

اگلے روز رحمت کو کسی سبزی والے کے ساتھ مال لے کر دوسری بستی جانا تھا۔ وہاں سے واپسی پر بڑے میاں ایک سفید بطخ لے آئے۔ اس بطخ کا نام انھوں نے بطو رکھ دیا۔ بطو کو پانی بہت پسند تھا۔ سارا دن کچھڑ میں چھپ چھپ



کرتی پھرتی۔ تب ایک دن بڑے میاں اور بڑی بی نے مل کر کنویں کے قریب ایک صاف  
 سُتھرا پتھا حوض بنایا اور اُس میں پانی بھر کر بطو کر چھوڑ دیا۔  
 بطومزے سے حوض میں تیرا کرتی اور ایک انڈا روز دیتی۔ کٹو نے جو دیکھا  
 کہ اب بڑے میاں بطو سے ایک انڈا روز وصول کر رہے ہیں تو بھپول سوج کر اور بھی  
 گپا ہو گئی۔ خیر اُس کے اکیس دن پورے ہو چکے تھے۔ ایک صبح جو کٹو جاگی تو مھمل  
 کی طرح درجن بھر نرم نرم چُڑے اس کے گرد چوں چوں کر رہے تھے بڑی بی نے  
 کٹو کو دامنہ ڈالنے کے لیے دربا جو کھولا تو خوشی کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ لگیں  
 بڑے میاں کو آواز دینے۔

اُسے میاں! اے میاں! دیکھو تو ہماری کٹو نے چُڑے نکالے۔ ایک انڈا بھی تو خراب نہیں  
 ہوا۔ پورے بارہ چُڑے نکل آئے۔

اب تو کٹو کے غرور کا ٹھکانا نہ تھا۔ ہر وقت پھولی پھولی چُڑوں کو  
 پروں میں لیے پھرتی اور بطو کے حوض کے قریب جا کر بڑے غرور سے کہتی اُسے!  
 کیا تم ایک انڈا دے کر اتراتی ہو۔ مجھے دیکھو! گھر بھر دیا ہے مھمل کے سے زرد  
 زرد چُڑوں سے۔



سفید پروں اور چوڑی سی پیلی چونچ والی بطو قیس قیس  
 کر کے ہنس پڑتی۔ کٹو کٹ کٹ کر کے شیخیاں بگھارے جاتی۔  
 ”اس گھر میں تو سب ہی فالتو ہیں میرے سوا۔ اُسے یہ ڈبُو نگوڑا  
 تو بالکل ہی فالتو ہے اور اس چندو کو تو کوئی دیکھے، کیسا  
 اٹھلا اٹھلا کر چلتا ہے۔“



ایک دوپہر کو کٹو پر پھلائے، دُم اٹھائے اپنے چوزوں کو دانہ دینا چگنا سکھا رہی تھی کہ ایک بلی چودپر سے گھات لگائے بیٹھی تھی، اُن پر چھٹی۔ دُبلے کے پاس ہی دُبو بیٹھا اُونگھ رہا تھا۔ کٹو بلی کو دیکھ کر چیخ پڑی۔ گٹ گٹ گٹاگ۔ جیسے کہتی ہو بچاؤ۔ بچاؤ، میرے چوزوں کو بچاؤ۔ ایک پل میں دُبو لپکا اور غرا کر بلی کو گھورا۔ دُبو کو دیکھ کر بلی کی جان ہی تو ٹپک گئی، دُم دبا کر بھاگی۔ دُبو اس وقت تک بھونکے گیا جب تک کہ بڑی بی نے آکر چوزوں کو ٹاپے کے نیچے بند نہ کر دیا۔ کٹو تھر تھر کانپتی بٹو کے پاس پہنچی اور اپنی زبان میں بولی "اری ہن! یہ دُبو تو بڑے کام کا ہے۔ یہ نہ ہوتا تو آج میرے بچوں کی جان بچنی مشکل





تھی۔ بطوقیں قیں کر کے ہنسی اور پھر بولی ”ہاں دیکھ لو! دُنیا میں فالتو کوئی نہیں ہوتا“ مگر ابھی یہ بات کٹو کی سمجھ میں پوری طرح نہ آئی تھی، جھٹ بولی، ”پر یہ چنڈو نکوڑا تو فالتو ہی ہے۔“

بطوقیں قیں کر کے ہنسی اور اُس نے پانی میں ڈبکی لگا لی۔

ایک صبح رحمت نے تھان پر دیکھا تو چنڈو اُونگھ رہا تھا۔ شام کو جو دانہ دیا تھا وہ یوں ہی پڑا تھا۔ چنڈو بہت بیمار ہو گیا تھا۔

بڑے میاں گھبرا گئے۔ چنڈو ہی تو اُن کی روزی کا سہارا تھا۔ پاس والے قصبے میں مویشیوں کا شفا خانہ تھا۔ چنڈو کو وہاں لے گئے۔ کٹو دن میں کئی مرتبہ جا کر چنڈو کے دانے پر چوکنچ مارتی تھی، مگر آج چنڈو تھا نہ اُس کا دانہ۔ اُس کا سونا سونا تھکان بہت بُرا لگ رہا تھا۔

ہفتہ بھر چنڈو شفا خانے میں رہا اور اسی وجہ سے رحمت کو کوئی مزدوری نہ مل سکی۔ مہینے کے آخری دن تھے۔ گھر میں ایک پیسا بھی نہ تھا۔ کٹو کا دانہ بھی نہ آسکا تھا اور اُس کے پچھے بہت بھوکے ہوئے تو بڑی بی کے پاس جا کر کٹ کٹ کرنے لگے۔

بڑی بی کہنے لگیں۔ ”اُرے میں تم کو دانہ کہاں سے دوں؟ گھر میں کیا رکھا ہے، دُعا کرو چنڈو اچھا ہو کر آئے، بڑے میاں کو کام ملے تو گھر بھر کے پیٹ میں روٹی پڑے؟ کٹو اپنے بچوں کو لیے دڑبے میں جا کر بیٹھی اور اس رات کٹو نے دُعا مانگی۔ ”اللہ میاں چنڈو کو اچھا کر دو۔ چنڈو تو بڑے کام کا ہے۔ اللہ میاں میری توبہ ہے۔ اب میں چنڈو کو کبھی فالتو نہیں کہوں گی۔“

دوسری صبح کٹو اپنے بیٹے لے کر نکلی تو دیکھا بڑے میاں چنڈو کو رڑھی میں جوت رہے ہیں۔ اس شام بڑے میاں واپسی میں بہت سا سامان لائے جس میں

کٹو کا دانہ بھی تھا اور پھر کٹو نے دانے پر چونچ مارتے مارتے سوچا ”بطور سچ ہی تو کہتی ہے کہ دُنیا میں کوئی بھی فالتو نہیں“۔

## مشق

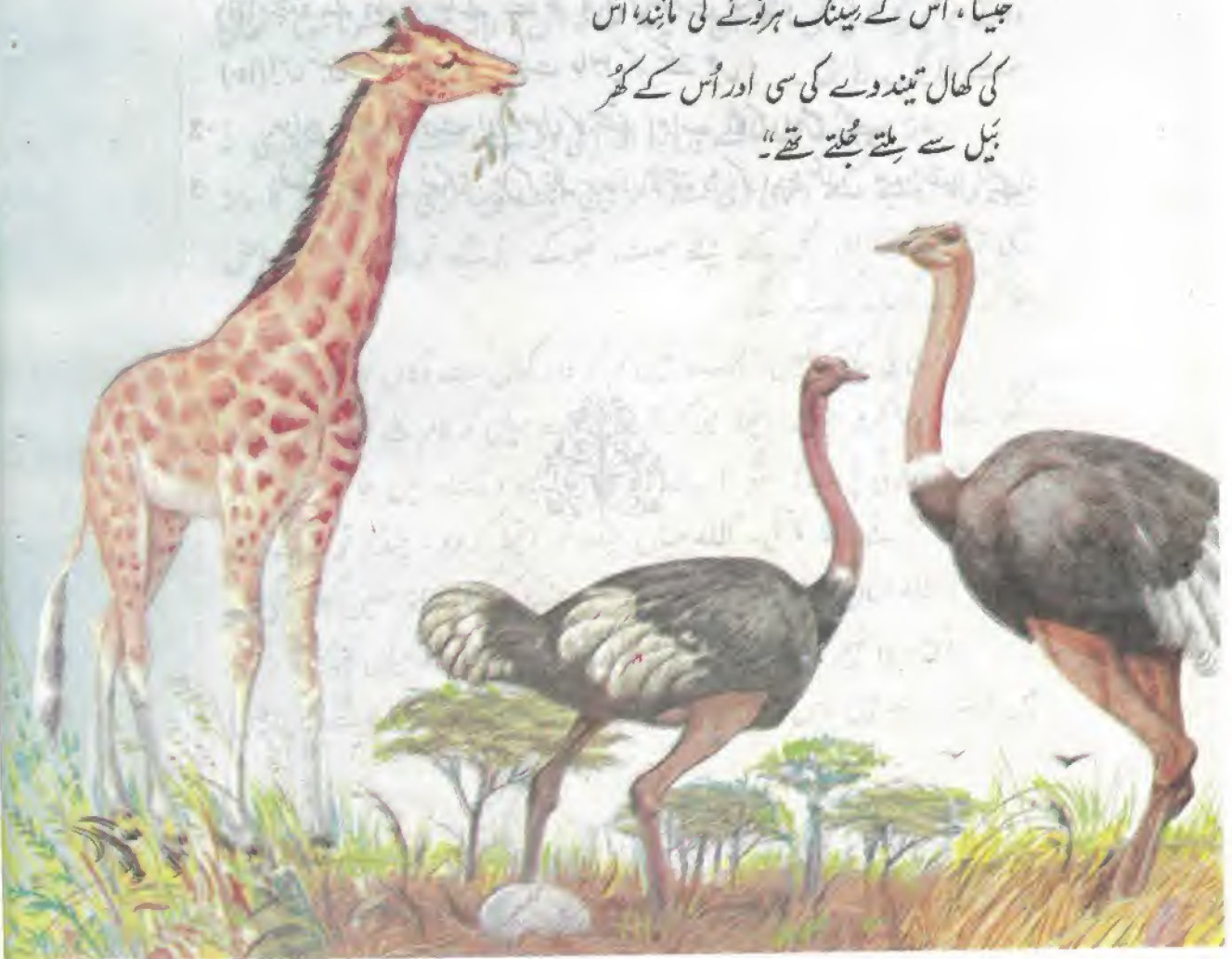
- 1- (i) کٹو، ڈبُو اور چندو سے کیوں جلتی تھی؟  
 (ii) ڈبُو نے کٹو کے بچوں کی جان کس طرح بچائی؟  
 (iii) چندو کے بیمار ہو جانے سے گھر بار کی کیا حالت ہو گئی؟  
 (iv) اِس سبق سے آپ کیا نصیحت حاصل کر سکتے ہیں؟
- 2- مزاج - خاطر - عادت اور وصول کا تلفظ اعراب لگا کر واضح کیجیے۔
- 3- اٹھلا کر چلنا - گزر بسر کرنا - جل کر خاک ہو جانا - فالتو - ڈرنا کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔





## شریف جانور

ایک آدمی کو افریقہ جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں اُس نے طرح طرح کے جنگلی جانور دیکھے۔ ایک جانور اُس نے ایسا دیکھا جو سب سے بڑا لگتا تھا۔ اُس جیسا کوئی جانور اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جب وہ آدمی اپنے وطن واپس آیا تو اُس نے اپنے دوستوں کو سفر کے حالات سنائے۔ اُس نے افریقہ کے جانوروں کا بھی ذکر کیا۔ جب اُس عجیب جانور کا ذکر کیا تو دوستوں نے دریافت کیا کہ وہ جانور ہے کس طرح کا؟ وہ بولا: اُس جانور کا جسم اونٹ کی طرح تھا، اُس کا سر بارہ سگھے جیسا، اُس کے سینک ہرنوٹے کی مانند، اُس کی کھال تیندوے کی سی اور اُس کے کھڑ بیل سے ملتے جلتے تھے۔



افریقہ کے اس عجیب جانور کا نام زرافہ ہے، جو دودھ دینے والے جانوروں میں سب سے دراز قد جانور ہے۔ اُس کا قد چھ سات میٹر تک ہوتا ہے۔ اُس کا نتھامٹا بچہ بھی پیدائش کے وقت کوئی ڈیڑھ میٹر کا ہوتا ہے۔ دُور سے دیکھو تو بس اونٹ ہی کی طرح نظر آتا ہے۔ زرافے کے جسم پر بڑے بڑے دھبے ہوتے ہیں۔ اس کے کھر بیل کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ گائے بھینس کی طرح جُگالی کرتا ہے۔ اس کے سر پر سینگ بھی ہوتے ہیں لیکن یہ سینگ لڑنے کے لیے نہیں۔ سینگوں والے دُوسرے سب جانور سینگوں سے ہتھیار کا کام لیتے ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرتے ہیں لیکن زرافے کے سینگ بس اُکھاوے ہی کے سینگ ہیں۔ وہ ان سے لڑائی میں کوئی مدد نہیں لیتا، اور پھر وہ غریب لڑتا ہی کب ہے؟ وہ تو صلح جو اور امن پسند جانور ہے۔

زرافہ صحرائی اور جنگلی جانوروں کا شریف دوست ہے۔ ہرن اور شتر مرغ وغیرہ بے خوف اس کے پاس آجاتے ہیں۔ جنگلوں میں پھوٹے پھوٹے جانوروں پر شکاریوں اور درندوں کا خوف طاری رہتا ہے۔ وہ بیچارے ڈر کے مارے اطمینان سے پانی نہیں پی سکتے۔ لیکن زرافے کی موجودگی میں اُن کا خوف دُور ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر زرافہ گردن اٹھائے دُور دُور تک نظر دوڑاتا رہتا ہے۔ اس کی نظر بہت تیز ہے۔ ذرا خطرہ محسوس ہوتا ہے تو سب کو چوکنا کر دیتا ہے۔ اس کی دوستی جانوروں کو تحفظ کا احساس دلاتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ شکاری زرافے سے ناراض رہتے ہیں۔ زرافے گروہ بن کر چرنے کو نکلے ہیں۔ ان میں سے ایک زرافہ چوکیداری کا فرض انجام دیتا ہے، باقی ساتھی اطمینان سے اپنا پیٹ بھرتے رہتے ہیں۔ جب بھی خطرہ محسوس ہوتا ہے، چوکیدار زرافہ اپنی کنوتیاں کھڑی کر لیتا ہے اور دم ہلاتا ہے۔ بس پھر کیا ہے، سارا گروہ چونک اٹھتا ہے۔ سب کے سب گردنیں لہراتے، دُمیں ہلاتے اور لمبے لمبے دُک بھرتے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت ان کی رفتار پچاس کلومیٹر



فی گھنٹا تک ہوتی ہے۔ بچوں کی حفاظت کا کام بھی ان کے ہاں امدادِ باہمی کے طریقے پر ہوتا ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکلتی ہیں تو ایک ماں سب بچوں کی نگران بن جاتی ہے۔ باقی مائیں بچوں سے بے پروا ہو کر چرنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ زرافوں کے کھانے کا انداز بھی انوکھا ہے۔ زرافہ گھاس نہیں چرتا بلکہ اُونچے اُونچے درختوں کے پتوں اور ٹہنیوں کو نوالہ بناتا ہے۔ اس اُونچے قد پر اُس کی لمبی لمبی گردن اس پر لمبی تھوٹھنی اور کوئی آدھ میٹر کی زبان! یہ زبان زرافے کی بہت مدد کرتی ہے۔ اُونچی اُونچی شاخوں کے پتے پیٹ پیٹ لپاٹ کر مُنہ تک لے آتا ہے۔ زرافہ درختوں کی ٹہنیوں میں گردن ڈالے اس طرح کھڑا ہو جاتا ہے گویا درخت سے گلے مل رہا ہے۔ دُور سے تو پتا بھی نہیں چلتا کہ یہ درخت ہے یا جہانور۔ زرافے کے سونے کا طریقہ بھی سب سے جُدا ہے۔ اس کے بچے کبھی زمین پر لوٹ مار لیں تو اور بات ہے ورنہ زرافہ کھڑے کھڑے درخت کے ساتھ گردن لگا کر نیند کے مزے لوٹتا ہے۔

ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ زرافے کو اپنے کھانے کی فکر تو رہتی ہے لیکن پانی پینے کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔ کبھی مل گیا تو دو چار گھونٹ پی لیا ورنہ کئی کئی مہینے پانی پیے بغیر گزر جاتے ہیں۔ اس کا ایک سبب تو یہ بھی ہے کہ پانی پینا زرافے کے لیے مصیبت سے کم نہیں۔ یہی لمبی گردن اور اُونچی ٹانگیں اس کے لیے پانی پیتے وقت عذاب بن جاتی ہیں۔ زرافے کو پانی پیتے دیکھنا بھی ایک دلچسپ منظر سے لُطف اندوز ہونے کے برابر ہے۔ اگلی ٹانگیں پھیلا کر، وزن پچھلی ٹانگوں پر ڈال لیتا ہے اور گردن کو جھٹکے دے دے کر رفتہ رفتہ پانی تک مُنہ کو لاتا ہے۔ بے چارے کی گردن نیچے نہیں جھک سکتی۔ پس پس منٹ اسی مُشَقَّت میں گزر جاتے ہیں۔ دو چار گھونٹ لینے کے بعد ایک جھٹکے سے گردن واپس لاتا ہے اور سیدھا کھڑا ہو کر دم لیتا ہے۔ پھر ذرا ہمت کر کے دو گھونٹ پانی پینے کی تیاری شروع کر دیتا ہے۔ اس مُشَقَّت سے تو واقعی پریشا رہنا بہتر ہے۔

آپ اگر چٹیا گھر جائیں تو وہاں زرافے سے ملنے کے لیے ضرور جائیں۔ آپ جلد ہی اس کے دوست بن جائیں گے۔ اگر آپ اُس کے لیے کوئی تحفہ لے گئے تو وہ بڑے پیار سے تحفہ وصول کرے گا اور محبت بھری خاموش نظروں سے آپ کا شکریہ ادا کرے گا۔ امن پسندی، صلح جوئی اور خاموشی زرافے کی زندگی کے اصول ہیں۔ وہ دوست سب کا ہے، دشمن کسی کا نہیں۔

## مشق

- 1- زرافہ والا جانور کس لحاظ سے ہے؟
- 2- زرافے کے پانی پینے کی حالت بیان کیجیے۔
- 3- زرافے امداد باہمی کے طریقے پر کیسے عمل کرتے ہیں؟
- 4- ہزالا۔ دراز قد۔ صلح جو۔ تحفظ۔ خوف طاری ہونا۔ امداد باہمی۔ مذاہب۔ لطف اندوز کے معنی لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے۔
- 5- زرافے کی تصویر بنا کر اُس میں موزوں رنگ بھر دیے
- 6- اِن الفاظ پر اعراب لگائیے،  
 زرافہ۔ صلح جو۔ تحفظ۔ کنوتیاں۔ نوالہ۔ شکریہ۔
- 7- ذیل کی عبارت کو دوبارہ لکھیے اور اس میں حمید کی جگہ وہ میس۔ اس۔ تم کا استعمال درست طریقے سے کیجیے:

”حمید دیر سے مدرسے پہنچا۔ حمید کے استاد نے حمید سے پوچھا کہ حمید دیر سے کیوں آئے ہو۔ حمید بولا۔ جی! حمید دیر سے جاگا تھا۔ حمید نے بڑی کوشش کی لیکن وقت پر نہ پہنچ سکا۔ حمید کے استاد نے سچ بولنے پر حمید کو شاباش دی۔“  
 (حمید کی جگہ جو الفاظ استعمال کیے جائیں گے۔ ان کو ضمیر کہتے ہیں یعنی وہ۔ اُس۔ تم۔ میں وغیرہ)



## کے۔ ٹو

طارق ہر روز صبح اخبار پڑھتا ہے۔ ایک دن اُس نے یہ خبر پڑھی کہ کوہ پیماؤں کی ایک جماعت کے۔ ٹو سر کرنے کے لیے پاکستان پہنچ گئی ہے۔ اخبار میں ان کوہ پیماؤں کی تصویریں بھی تھیں۔ طارق کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کوہ پیما کون ہوتے ہیں اور کے۔ ٹو کس چیز کا نام ہے۔ اُس نے اپنے بھائی خالد سے پوچھا بھائی جان کوہ پیما کسے کہتے ہیں؟

خالد: طارق میاں! کوہ پیما اُس شخص کو کہتے ہیں جسے پہاڑوں پر چڑھنے کا شوق ہو۔ خاص طور پر وہ لوگ کوہ پیما کہلاتے ہیں جو اونچی اونچی چوٹیوں پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

طارق: بھائی جان! انھیں چوٹیوں پر چڑھنے کا شوق کیوں ہوتا ہے؟  
خالد: بھی یہ عجیب سوال ہے۔ اپنے اپنے شوق کی بات ہے۔ جس طرح ہم شوق کے طور پر بعض مشغلے اختیار کر لیتے ہیں، مثلاً مجھے باغبانی کا شوق ہے،



یوسف ٹکٹیں جمع کرتا ہے اور تم اخباروں کے کارٹون اکٹھے کیا کرتے ہو، اسی طرح کوہ پیماؤں کا مشغلہ چوٹیوں پر چڑھنا ہے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ ہمارے مشغلے آسان ہیں اور کوہ پیماؤں بڑی جرأت اور ہمت کا کام ہے۔ پہاڑوں پر چڑھنا ویسے بھی خاصا مشکل ہے، لیکن چوٹیوں کو سر کرنا تو جان جوکھوں کا کام ہے۔

طارق: ہاں بھائی جان! پہاڑ پر چڑھنا واقعی مشکل ہوتا ہے۔ میں آپ کے ساتھ کشمیر کے پہاڑوں کی سیر کے لیے گیا تھا۔ وہاں ایسی ایسی ڈھلانیں تھیں کہ ہر لمحہ یہ خوف ہوتا تھا کہ ذرا یاؤں پھسلا تو سیدھے گہرے کھڈ میں جا گرے گا۔

خالد: بھیا! اس کام کے لیے ہمت و جرأت کے ساتھ علم کی بھی ضرورت ہے۔ یہ نہیں کہ بس اٹھے اور پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔

طارق: کیا مطلب؟

خالد: کوہ پیما کے لیے جغرافیہ اور سائنس کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس کا ملکی حالات اور موسمی تبدیلیوں سے واقف ہونا لازمی ہے۔ اسی طرح اسے سائنس کے اصولوں کو جاننا چاہیے۔ تم جانتے ہو کہ جوں جوں بلندی کی طرف جائیں ہوا کا دباؤ کم ہوتا جاتا ہے۔ بہت اونچی جگہ جا کر تو ہوا اتنی ہلکی ہو جاتی ہے کہ سانس لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے کوہ پیما اپنے ساتھ گیس کے سلنڈر لے جاتے ہیں۔

طارق: تو کیا ہوا۔ میں یہ سارے علم حاصل کرنے کے بعد ہی تو کوہ پیماؤں شروع کروں گا۔

اب مہربانی کر کے یہ بتا دیجیے کہ یہ ”کے۔ ٹو“ کیا چیز ہے؟

خالد: ”کے۔ ٹو“ پاکستان کے شمالی پہاڑوں کی ایک بلند چوٹی کا نام ہے، جو کوہ قراقرم میں واقع ہے۔ انگریزی حرف ”کے“ (K) سے قراقرم مراد ہے اور ”ٹو“ کے معنی ہیں ”دو“۔ اس کا مطلب ہوا قراقرم کی چوٹی نمبر دو۔ یہ چوٹی سکر دو سے ایک سو پانچ کلومیٹر دور شمال مشرق کی طرف چین اور پاکستان کی سرحد پر واقع ہے۔



اس کا اصل نام بلند پہاڑ اور ”چگوری“ ہے۔

طارق: چگوری کا کیا مطلب ہے؟

خالد: چگوری وہاں کی مقامی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ہیں پہاڑوں کا بادشاہ۔

طارق: بھائی جان یہ چوٹی کتنی اونچی ہے؟

خالد: یہ تو تم نے سن رکھا ہے کہ دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ماؤنٹ ایورسٹ ہے۔

طارق: جی ہاں! میں نے ایک کتاب میں اس کے متعلق پڑھا بھی تھا۔

خالد: بہت خوب! ماؤنٹ ایورسٹ کے بعد دنیا کی سب سے اونچی چوٹی ”کو“ ہے۔ اس کی بلندی ساڑھے آٹھ ہزار میٹر کے قریب ہے۔ آسانی کے لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ چوٹی آٹھ کلومیٹر سے کچھ اونچی ہے۔

طارق: آٹھ کلومیٹر تو کچھ زیادہ فاصلہ نہیں۔

خالد: ہاں! اگر سیدھی سڑک سے جانا ہو تو واقعی یہ فاصلہ زیادہ نہیں۔ لیکن پہاڑ کی بلندی کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ آٹھ اور سیدھے سبھاؤ وہاں جا پہنچے۔ پہاڑوں میں راستے بل کھاتے اوپر چڑھتے، نیچے اترتے چلے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایک کلومیٹر اوپر چڑھنے کے لیے آٹھ دس کلومیٹر کا چکر لگانا پڑے۔ مثلاً ”کو“ پر پہنچنے کے لیے قریباً پونے تین سو کلومیٹر سفر طے کرنا پڑتا ہے۔ ایک تو راستے دشوار گزار ہیں، اس کے ساتھ شدید سردی، برف کے تودے اور طوفانی ہوائیں، کوہ پیماؤں کے لیے طرح طرح کی مصیبتوں کا باعث بن جاتی ہیں۔ جگہ جگہ موت منہ کھولے نظر آتی ہے۔

طارق: بھائی جان! ”کو“ پر ابھی تک کوئی آدمی نہیں پہنچا؟

خالد: کیوں نہیں۔ یہ چوٹی 1954ء میں سر ہو چکی ہے۔ ویسے بڑی مدتوں سے اس کو سر کرنے کی کوششیں کی جا رہی تھیں۔ اس چوٹی پر چڑھنا بہت مشکل ہے۔

ایک کوہ پیما نے لکھا تھا کہ اس چوٹی کو سر کرنا ناممکن ہے کیونکہ اس میں ایسی ایسی ڈھلانیں ہیں کہ دن بھر آپ مشقت کرتے رہیں تو رات کو اتنی جگہ بھی نہ بن سکے گی کہ آپ لیٹ کر آرام کر سکیں۔ بہر حال اس کوشش میں متعدد جماعتیں آئیں، جن میں سے کئی لوگ برفانی تودوں اور طوفانوں کی بھیڑ میں چڑھ گئے، لیکن آخر کار انسان کی ہمت نے چوٹی کی بلندیوں کو شکست دی۔ ایک اطالوی گروہ نے چوٹی پر فتح کا جھنڈا لہرا دیا۔



## مشق

- 1- کوہ پیما کے لیے کون کون سے علم حاصل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے؟
  - 2- ”پگوری“ کے اصل معنی کیا ہیں اور اس کا دوسرا نام کیا ہے؟
  - 3- دنیا کی سب سے اونچی چوٹی کا کیا نام ہے؟
  - 4- کے ٹو کتنی بلندی پر واقع ہے اور اسے کب فتح کیا گیا؟
  - 5- کے ٹو پر پہنچنے کے لیے کتنے کلومیٹر کا سفر طے کرنا پڑتا ہے؟
  - 6- اس سبق کے پہلے تین پیروں میں سے اسم معرفہ فعل اور حرف چن کر الگ الگ لکھیے۔
  - 7- معنی لکھیے اور جملے بنائیے۔
- سر کرنا۔ کوہ پیما۔ جان جو کھوں کا کام۔ سیدھے بھاؤ۔ دشوار گزار طے کرنا۔ شکست دینا۔  
متعدد۔ بھیڑ میں چڑھنا۔



## قومی ترانہ

چھٹی کا دن تھا۔ امجد اپنے کمرے میں بیٹھا مدرسے کا کام کر رہا تھا۔ اتنے میں اس کے آبا جان کمرے میں داخل ہوئے۔ امجد نے کھڑے ہو کر ادب سے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے وعلیکم السلام کہہ کر اسے دعا دی اور پوچھا:-

”امجد بیٹے! اس وقت تم کیا کر رہے ہو؟“

امجد: آبا جان! ماسٹر صاحب نے فرمایا تھا کہ سب لڑکے اپنی کاپیوں میں قومی ترانہ خوش خط لکھ کر لائیں میں اس وقت یہی کام کر رہا ہوں۔

آبا جان: بہت خوب! لاؤ دیکھیں تمہارا خط کیسا ہے؟

امجد نے کاپی آبا جان کو دے دی۔ انہوں نے کاپی کو دیکھا بھالا اور کہنے لگے: ”مجھے خوشی ہے کہ تمہارا خط اچھا ہے۔ لیکن خوش خط لکھنے کے لیے ابھی تمہیں مزید مشق کی ضرورت ہے۔ ملک کے دک، کی کش اور پاک کے دک، کی کش سے ملتی جلتی نہیں بن پائی ہے۔ کوشش کرو کہ حروف کے دائروں اور کشوں میں یکسانی رہے۔ یہ دیکھو! یہاں تم نے ’ض‘ کا دائرہ بہت چھوٹا بنایا



ہے جبکہ اسی سطر میں 'ن' کا دائرہ بہت بڑا ہو گیا ہے۔ اسی طرح اس سطر میں پرچم کا 'پ' اور ترقی کا 'ت' ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ذرا سی احتیاط کی جائے تو یہ نقص دور ہو سکتا ہے۔

امجد: شکوہ آبا جان! میں اب پوری کوشش کروں گا کہ اس طرح کا کوئی نقص باقی نہ رہے۔  
آبا جان: بیٹا تم جانتے ہو کہ خوش خطی کا ایک اہم اصول کیا ہے؟  
امجد: نہیں آبا جان! مہربانی کر کے آپ بتا دیجیے۔  
آبا جان: فارسی کے ایک شعر میں یہ اصول بتایا گیا ہے۔ وہ شعر یہ ہے:

گر تومی خواہی کہ باشی خوش نویس

می نویس و می نویس و می نویس

اس شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ تو خوش نویس بن جائے تو لکھتارہ، لکھتارہ، لکھتارہ۔

امجد: آبا جان! ذرا ٹھہریے! میں یہ شعر کاپی میں لکھ لوں۔

(آبا جان شعر کاپی میں لکھواتے ہیں۔)

آبا جان: امجد بیٹے! اس شعر سے مراد یہ ہے کہ خوش خطی کے لیے مشق کرنے کی بہت ضرورت ہے لیکن یہ مشق احتیاط کے ساتھ کی جائے اور خوش خطی کے اصولوں پر پوری طرح عمل کیا جائے۔ اچھا اب ذرا دیکھیں کہ تمہیں قومی ترانہ یاد بھی ہے؟

امجد: کیوں نہیں آبا جان! سنیے۔ لیکن ہاں۔ یہ بھی عرض کر دوں کہ جب قومی ترانہ گایا جا رہا ہو تو ادب کے ساتھ کھڑا ہونا ضروری ہے۔

آبا جان: بے شک یہ بات درست ہے۔ تم ترانہ گاؤ۔ میں ادب کے ساتھ کھڑا رہوں گا۔

امجد: پاک سرزمین شاد باد      کشور حسین شاد باد

تو نشانِ عدمِ عالی شان      ارضِ پاکستان

مرکزِ یقین شاد باد



امجد کے آبا جان پہلے تو کھڑے مٹتے رہے لیکن جب امجد نے قومی ترانے کا  
دوسرا بند پڑھنا شروع کیا تو وہ امجد کے ساتھ مل کر گانے لگے۔

پاک سرزمین کا نظام قوتِ اُتوتِ عوام  
قومِ ملک، سلطنت پائندہ تابندہ باد

شاد باد منزلِ مراد

پرچم ستارہ و ہلال رہبرِ ترقی و کمال

ترجما ماضی، شانِ حال جانِ استقبال

سایہ خدائے دُوالِ جلال

صحن میں بچے کھیل رہے تھے۔ ترانے کی آواز سن کر وہ دوڑے آئے اور ایک  
قطار میں خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔

امجد اور آبا جان نے ترانہ ختم کیا تو سب نے سر جھکا کر ترانے کی تعظیم کی۔ بچوں  
نے خوشی سے تالیاں بجانا شروع کر دیں۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے  
آبا جان ترانہ بہت اچھا پڑھتے ہیں۔

پھر آبا جان کہنے لگے: ”اگر تم چاہو تو میں تمہیں قومی ترانے کا مطلب سمجھا دوں۔“  
سب بچے: ضرور آبا جان ضرور۔

آبا جان: یوسف میاں! ذرا پہلا بند پڑھیے۔  
(یوسف نے پورا بند سنا دیا)

آبا جان: اس بند کا مطلب یہ ہے:

”اے ہماری پاک سرزمین! تو ہمیشہ خوش رہے! اے ہمارے خوبصورت وطن تو شاد  
رہے! اے پاکستان کی سرزمین! تو اُوپٹے اور عالی شان ارادوں کا نشان ہے۔ تو  
ہمارے ایمان اور یقین کا مرکز ہے۔ خدا تجھے ہمیشہ سلامت اور خوش رکھے۔“

آبا جان: اب طارق دوسرا بند پڑھے گا۔ (طارق دوسرا بند سنا رہا ہے)

آبا جان: ”ہمارے ملک کی حکومت سب پاکستانیوں کے بھائی چارے اور طاقت  
کی نشانی ہے۔ خدا ہماری قوم اور ہمارے ملک کو ہمیشہ قائم رکھے۔ یہ ملک

ہمیشہ کامیابی اور ترقی حاصل کرتا رہے۔“

تیسرا بند شمیم پڑھ کر سناتی ہے

ابا جان: ”اس بند میں پاکستان کے قومی پرچم کا ذکر کر کے کہا گیا ہے کہ یہ چاند ستارے والا پرچم ہمیں ترقی اور کمال کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہ جھنڈا ہمیں گزرے ہوئے زمانے کی بعثت اور ترقی کی یاد دلاتا ہے اور موجودہ دور کی شان و شوکت کی نشانی ہے۔ یہ جھنڈا آنے والے زمانے کی جان ہے۔ خدا اسے ہمیشہ اُونچا رکھے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا سایہ ہمیشہ ہمیشہ اس ملک پر قائم رہے۔“

امجد: ابا جان اس ترانے میں تو بہت اچھی اچھی باتیں بتائی گئی ہیں۔ میں اپنی کاپی میں اس ترانے کے ساتھ اس کا مطلب بھی ضرور لکھوں گا اور اب مجھے ترانہ پڑھنے میں زیادہ لطف آئے گا۔

ابا جان شاباش بیٹا! جیتے رہو۔ لو، اب تم اپنا کام کرو۔ میں بھی ذرا بازار تک ہو آؤں۔

## مشق

- 1۔ قومی ترانے کے آداب کاپی میں لکھیے۔
- 2۔ قومی ترانہ زبانی یاد کر کے جماعت میں مل کر پڑھیے۔
- 3۔ قومی ترانے کا مفہوم اچھی طرح سمجھیے اور اپنے ساتھیوں کو سمجھائیے۔
- 4۔ امجد کے ابا جان نے خوش خطی کے جو اصول بیان کیے، ان کے مطابق لکھنے کی مشق کیجیے۔
- 5۔ ایک چارٹ تیار کیجیے جس میں پاکستانی پرچم کی تصویر ہو اور اس کے نیچے قومی ترانہ لکھا ہو۔
- 6۔ معنی لکھیے اور منجملے بنائیے:

نقص - اصول - خوش نویس - ترجمان - تعجب - شاد - شان و شوکت -



## علمی مقابلہ

فرحت کی جماعت میں ہر ہفتے ایک علمی مقابلہ ہوتا ہے، جس میں ایک لڑکی اپنی ہم جماعتوں سے سوال کرتی ہے اور باقی لڑکیاں سوچ کر اس کا جواب دیتی ہیں۔ اس مقابلے میں حصہ لینے کے لیے بچیاں ہفتہ بھر تیاری کرتی رہتی ہیں۔ خاص طور پر جس لڑکی کی باری سوال کرنے کی ہوتی ہے، وہ اخباروں، رسالوں اور کتابوں کا خوب مطالعہ کرتی ہے اور اچھے اچھے علمی سوال ڈھونڈ کر لاتی ہے۔ وہ اپنے سوالوں کے جواب بھی اچھی طرح یاد کر کے آتی ہے۔

آج فرحت کی باری تھی۔ وہ سوال سوچ کر آئی تھی۔ علمی مقابلے کا وقت شروع ہوا تو اُستانی صاحبہ نے فرحت کو اپنی میز کے پاس کرسی پر بٹھا دیا۔ فرحت بولی : ”میرا سوال انسان کے متعلق ہے۔ آپ سب جانتی ہیں کہ انسان کو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے۔ یعنی دُنیا میں جتنی چیزیں پیدا کی گئی ہیں، انسان ان سب میں اُونچا مرتبہ رکھتا ہے۔ بتائیے، انسان میں وہ کون سی خاص صفت ہے جو دوسرے جانوروں میں نہیں؟“ شبانہ نے فوراً ہاتھ کھڑا کر دیا۔ اُستانی صاحبہ نے فرمایا ”بتاؤ! شبانہ تم نے کیا جواب سوچا ہے؟“

شبانہ : جناب جانوروں کے سینگ ہوتے ہیں، انسان کے سینگ نہیں ہوتے۔ یہ جواب سُن کر سب لڑکیاں کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ اُستانی صاحبہ بولیں : ”سبھی شبانہ! تم نے اپنی بات پر غور نہیں کیا۔ سوال یہ تھا کہ انسان میں کون سی صفت ہے جو جانوروں میں نہیں اور تم نے یہ بتایا ہے کہ جانوروں کے سینگ ہیں جو انسان کے نہیں۔ یہ تو الٹا جواب ہوا۔ اچھی طرح سوچ کر جواب دینا چاہیے۔“

اتنے میں نسیم نے ہاتھ کھڑا کر دیا اور اجازت ملنے پر کہنے لگی: ”انسان کا مرتبہ اس لیے بلند ہے کہ وہ دوسرے جانوروں سے زیادہ طاقت ور ہے۔“

فرحت: جی نہیں! شیر، چیتا اور ہاتھی انسان سے کہیں زیادہ طاقت ور ہیں۔  
نسیم: غلط کیسے جی! ٹھیک تو ہے میرا جواب! دیکھو نا! شیر، چیتے اور ہاتھی جیسے جانور تو انسان کا کنا مانتے ہیں۔ وہ پھر طاقت ور کیسے نہ ہوا؟

استانی: نسیم بیٹی! یہ طریقہ ٹھیک نہیں۔ فضول بحث نہ کرو۔ جب صحیح جواب بتایا جائے گا تو مقابلہ کر کے دیکھنا کہ تمہارا جواب کس حد تک صحیح تھا۔ اب کسی اور کو بولنے کا موقع دو۔  
اتنے میں سمیع اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی:

”میرے خیال میں انسان اس لیے اشرف المخلوقات ہے کہ وہ انسان ہے اور باقی سب حیوان ہیں۔“

استانی: سبحان اللہ! یہ کیا جواب ہوا۔ شاید تمہیں یہ معلوم نہیں کہ انسان کو حیوانوں ہی کی ایک قسم شمار کیا جاتا ہے۔ اس کائنات میں تین طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک وہ جن میں ہلنے، چلنے، بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی صلاحیت نہیں، انہیں جمادات کہتے ہیں۔ جیسے مٹی، پتھر، لہا وغیرہ۔ دوسری وہ چیزیں ہیں جو بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہیں مگر اپنے ارادے سے حرکت نہیں کر سکتیں جیسے درخت اور پودے، یہ نباتات ہیں۔ تیسری وہ چیزیں جو اپنی مرضی سے حرکت بھی کرتی ہیں، بڑھتی اور ترقی بھی کرتی ہیں۔ یہ حیوانات ہیں، جن میں چھوٹے چھوٹے کیڑوں سے لے کر ہاتھی، شیر، انسان سب شامل ہیں۔

فرحت: سمیع نے سوال پر بھی غور نہیں کیا۔ پوچھا یہ گیا ہے کہ انسان کی وہ خاص صفت یا خوبی بتائی جائے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے بلند مرتبہ ہے۔ صرف نام سے کیا فرق پڑتا ہے!

اب سب لڑکیاں سوچ میں ڈوب گئیں۔ بات تھی بھی غور کرنے کی۔ آخر یہ



انسان جو اتنا لمبا اونچا نہیں لیکن قوی ہیکل ہاتھیوں پر سواری کرتا ہے۔ اس کے پر نہیں لیکن ہواؤں میں پرواز کرتا ہے۔ مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرتا ہے۔ پہاڑوں کو چرتا اور دریاؤں کے رُخ موڑتا ہے۔ آخر اس میں خاص بات کیا ہے!! کھانے پینے سونے جاگنے میں تو وہ دوسرے جانوروں سے زیادہ مختلف نہیں۔

انجم جو اب تک خاموش بیٹھی سوچ رہی تھی، اٹھ کھڑی ہوئی اور بولی: ”میرے خیال میں انسان کی سب سے بڑی خوبی عقل اور علم ہے، جس سے دوسرے حیوان محروم ہیں۔“ اُستانی: کیوں فرح! کیا یہ جواب درست ہے؟

فرحت: جی ہاں! جواب ٹھیک ہے۔ انسان علم اور عقل ہی کی وجہ سے اشرف المخلوقات کہلاتا ہے۔ انسان نے جنگلی زندگی کو چھوڑ کر شہر آباد کیے۔ زندگی گزارنے کے لیے سہولت اور آرام کی بے شمار چیزیں ایجاد کیں۔ بیماریوں کی روک تھام کے لیے دوائیں تیار کیں اور علم و عقل سے کام لے کر دریاؤں اور سمندروں پر قابو پا لیا۔ ہواؤں کی طاقت سے فائدہ اٹھایا۔ سورج کی شعاعوں کو قابو میں لا کر اُن سے حرارت اور توانائی حاصل کی۔ ترقی کرتے کرتے انسان نے ایسے راکٹ بھی بنائے، جن میں سوار ہو کر وہ چاند پر بھی جا پہنچا۔ یہاں سے اب میرا دوسرا سوال شروع ہوتا ہے۔ بتائیے سب سے پہلا انسان جس نے چاند پر قدم رکھا وہ کون تھا؟

عمراند: پہلا خلا باز جس نے چاند پر قدم رکھا وہ یوری گاگرین تھا۔ فرحت: نہیں! یہ تو ٹھیک ہے کہ گاگرین وہ پہلا شخص ہے جس نے خلا میں سفر کیا لیکن وہ چاند پر نہیں پہنچ سکا۔

نسرین: میں بتاتی ہوں۔ چاند پر قدم رکھنے والا پہلا شخص امریکہ کا خلا باز نیل آرمسٹرانگ تھا جو 1969ء میں اپنے ایک ساتھی سمیت چاند پر اُترا اور اسی نے چاند کی سطح پر سب سے پہلے قدم رکھا۔

اُستانی: شاباش نسرین! تمہارا جواب بالکل درست ہے۔ آج کا علمی مقابلہ ختم ہوتا ہے۔  
میں فرحت کو شاباش دیتی ہوں جو اتنے اچھے سوالات تیار کر کے لائی۔



## مشق

- 1 - سبق میں سے مشکل الفاظ چُن کر تہیٰ ترتیب سے لکھیے اور لغت میں ان کے معنی تلاش کیجیے۔
- 2 - اعراب لگا کر صحیح تلفظ بتائیے: - صفت - وقت - غلط - عقل۔
- 3 - جمادات - نباتات اور حیوانات کا فرق بتائیے۔
- 4 - علمی مقابلے کے لیے تین تین سوال تیار کیجیے۔
- 5 - اس سبق میں سے دس الفاظ ایسے چُن کر لکھیے جو مذکر بولے جاتے ہیں۔
- 6 - معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے: -  
متعلق - اشرف المخلوقات - مرتبہ - صفت - خوبی - صلاحیت - طاقت ور - محروم۔



## ہمارے نبی ﷺ

آپ کی ذات سب سے اعلیٰ ہے  
 آپ کی بات سب سے اعلیٰ ہے  
 آپ کا نام سب سے اچھا ہے  
 آپ کا کام سب سے اچھا ہے  
 آپ ہی سے جہاں میں رونق ہے  
 سارے کون و مکاں میں رونق سے  
 حق کا پیغام آپ لائے ہیں  
 دین اسلام آپ لائے ہیں  
 آپ نے سب کی رہنمائی کی  
 ساری مخلوق سے بھلائی کی  
 غم کے ماروں کی دستگیری کی  
 بے سہاروں کی دستگیری کی  
 آپ نے فقر کو پسند کیا  
 خاکساروں کو سر بلند کیا  
 آپ رحمت سے کام لیتے ہیں  
 گرنے والوں کو تھام لیتے ہیں

آپ رحمت ہیں دو جہاں کے لیے  
 آپ رافت ہیں انس و جاں کے لیے  
 روشنی آپ ہی کے دم سے ہے  
 زندگی آپ کے قدم سے ہے  
 اے یتیموں کے غمگسار سلام  
 اے مدینے کے تاجدار سلام

(اسحق جلالپوری)

## مشق

- 1 - یہ نعت زبانی یاد کیجیے۔
- 2 - اس نعت میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو صفات بیان ہوئی ہیں، انہیں اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
- 3 - ان لفظوں کے معنی نعت میں سے تلاش کر کے اپنی کاپی میں لکھیے اور جملوں میں استعمال کیجیے۔  
 دستگیری - کون و مکاں - فقر - خاکسار - رافت - غمگسار - تاجدار۔
- 4 - نیچے لکھے ہوئے ہر لفظ کے چار چار ہم قافیہ الفاظ لکھیے:  
 نام — بھلائی — پسند۔



## مَحَبَّت کا پیغام

انسان کی اصل فطرت اُنس اور محبت ہے۔ اچھے انسان بل جُل کر رہتے ہیں۔ دُکھ مکھ میں ایک دُوسرے کے سا جی بننے ہیں۔ ایک دُوسرے کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ اُنس و محبت کا یہی فطری جذبہ انسانوں کو ایک دُوسرے کا احترام کرنا، دُوسرے کے لیے قربانی دینا اور نیکی کے کام کرنا سکھاتا ہے۔ لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان جب بل جُل کر رہتے ہیں تو ان میں کئی طرح کی خرابیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ ان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ بعض اوقات آدمی اپنے آپ کو دُوسروں سے بڑا اور بہتر سمجھنے لگتا ہے۔

انسان جس طرح ایک دُوسرے سے اچھی باتیں سیکھتے ہیں اسی طرح وہ دُوسروں کی بُرائیاں بھی اپنا لیتے ہیں۔ یوں بُرائیاں پھیلتے پھیلتے پوری قوم کو خراب کر دیتی ہیں۔ انسانی معاشرے میں امن اور سلامتی قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ انسانوں کے دلوں میں محبت کے جذبات اُبھارے جائیں اور انھیں انسانی مساوات اور احترام کا سبق سکھایا جائے۔

اللہ کے نیک بندے جو معاشرے کی اصلاح کا کام انجام دیتے ہیں ان میں انبیاء کے بعد علما اور صوفیاء کو خاص مقام حاصل ہے۔ صوفیاء لفظ صوفی کی جمع ہے۔ صوفی اس شخص کو کہتے ہیں جس کا دل تمام بُرے جذبوں سے پاک صاف ہو اور اس کا عمل نیک اور پاکیزہ ہو۔

ہماری پاک سرزمین میں بہت سے صوفیائے کرام پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے دور میں نیکی اور محبت کی شمع روشن کی۔ صوفیائے کرام میں حضرت سلطان باہو،

خواجہ غلام فرید، شاہ عبداللطیف بھٹائی، رحمان بابا، پیر بابا، لعل شہباز قلندر، بکھے شاہ پیراں شاہ غازی سید عبداللہ اور بابا خرواری شامل ہیں۔ اگرچہ یہ بزرگ مختلف زمانوں اور مختلف علاقوں میں پیدا ہوئے لیکن ان سب کا دین ایک اور ان سب کی تعلیم ایک تھی۔ ان میں بہت سے بزرگ ایسے ہیں جنہوں نے اپنی تعلیم عام کرنے کے لیے شعروں کا سہارا لیا تاکہ لوگ ان کے کلام کو شوق سے سنیں اور آسانی سے یاد کر سکیں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے نغمے، سلطان باہو کے بیت، خواجہ فرید اور بکھے شاہ کی کافیاں آج بھی سینکڑوں لوگوں کی زبانوں پر ہیں۔ گانے والے یہ کلام گا کر مٹاتے ہیں اور سننے والے سر دھنتے ہیں۔

صوفیاء کی تعلیم ایک لفظ میں بیان کرنا ہو تو وہ لفظ ہے ”محبت“ یعنی اللہ سے محبت اور اللہ کے بندوں سے محبت۔ ایسی محبت جس کی بنیاد کسی غرض یا لالچ پر نہ ہو۔ ایسی محبت جو کسی ڈر یا خوف کی وجہ سے نہ ہو، ایسی محبت جس کے لیے کسی اجر یا بدلے کی خواہش نہ ہو۔ محبت کا یہی وہ پیغام ہے جو اللہ کے پاک رسولوں نے انسانوں تک پہنچایا اور محبت کا یہی وہ پیغام ہے جو صوفیاء نے دنیا کے کونے کونے میں پھیلایا۔ انسانوں سے سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سب انسانوں کو برابر سمجھیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ کسی عربی کو عجمی پر یا کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں۔

صوفیائے کرام نے انسانی تفریق کو دور کیا۔ انسان خواہ کسی خطے یا علاقے کا رہنے والا ہو اس کا احترام لازم ہے۔ رنگ، نسل، زبان یا خاندان کی وجہ سے کسی انسان کو بلند اور کسی انسان کو پست نہیں کہا جاسکتا۔ ہر رنگ اور ہر نسل کا انسان، انسان ہے اور محبت و احترام کا مستحق ہے۔ زبان اور لباس کا فرق انسانی درجہ بندی سے کوئی تعلق



نہیں رکھتا۔ صوفیا کا پیغام سب کے لیے ہے۔ ان کی ہدایت سب کے لیے ہے اور ان کی محبت بھی سب کے لیے ہے۔ ہمارے یہ بزرگ کسی جگہ سے بھی تعلق رکھتے ہوں، ہم ان کا ادب کرتے ہیں، ان کی تعلیم کو دل و جان سے قبول کرتے ہیں اور ان کی باتوں پر عمل کر کے اچھے انسان بننے کی کوشش کرتے ہیں۔



## مشق

- 1- صوفی کسے کہتے ہیں؟
- 2- صوفیائے کرام نے کیا تعلیم دی؟
- 3- سچی محبت کا تقاضا کیا ہے؟
- 4- اپنے علاقے کے کسی مشہور بزرگ کا حال لکھیے؛
- 5- ان الفاظ کے معنی لکھیے اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے؛  
ساجھی - انجام - اصلاح - بلند - پست -
- 6- واحد کی جمع لکھیے؛  
جذبہ - وقت - صوفی - لفظ - خواہش -

## دَرزی

رمضان کا آخری عشرہ ہے۔ عید کی آمد آمد ہے۔ بازاروں میں بھیڑ لگی ہے۔ ابھی سے عید کی خریداری ہو رہی ہے۔ احمد اور نسیم بھی اپنے ابا کے ساتھ بازار میں گھوم رہے ہیں۔ نسیم نے چوڑیاں پہنیں اور احمد نے بوٹ خریدے۔ اچانک نسیم اور احمد نے اپنے ابا کو یاد دلایا کہ دَرزی نے اُن کے جوڑے آج تیار کرنے کا وعدہ کیا تھا چنانچہ وہ تینوں دَرزی کی دکان پر پہنچے۔ یہ حبیب دَرزی کی دکان ہے۔



سلے ہوئے کپڑے  
الماریوں میں قرینے  
سے رکھے ہیں۔  
حبیب کا بیٹا بھی  
دکان پر بیٹھا  
کپڑے سی رہا ہے۔  
اور اندر گھر میں  
ترپائی کا سارا کام اس کی  
بیوی اور بیٹی کرتی ہے۔  
یہ لڑکا اگرچہ میٹرک پاس ہے  
لیکن حبیب نے اسے اس کام  
پر لگا دیا ہے۔  
خود حبیب اپنے



اڈے پر کھڑا کپڑے بیونت رہا ہے۔ کپڑے بیوتنے کے بعد بچی ہوئی کترینیں اٹھا کر اُس نے ایک ڈبے میں ڈال دیں۔ اور بیوتا ہوا کپڑا اٹھا کر اپنے بیٹے کو سینے کے لیے دے دیا۔ ایک شاگرد پاس بیٹھا ہوا کاج بنا کر بٹن ٹانگ رہا ہے۔ یہی شاگرد کپڑوں پر استری بھی کر دیتا ہے۔

حبیب ایک بچے کی شلوار قمیص کا ناپ لینے لگا۔ اس نے بچے کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور ریتے سے تیرہ، آستین، گلا، چھاتی، کمر اور لمبائی کی پیمائشیں رنگین چاک سے کپڑے پر لکھ دیں۔ جب وہ ناپ لینے سے فارغ ہوا تو اس کی نظر نسیم اور احمد پر پڑی۔ اُس نے مسکراتے ہوئے نسیم کے آبا کو سلام کیا اور کہا: ”نسیم اور احمد آگئے اپنے کپڑے لینے؟“ نسیم اور احمد نے بھی اسے سلام کیا اور کہا: ”آپ نے آج ہی کا وعدہ تو کیا تھا۔“ اُس نے کہا ”ہاں مجھے اپنا وعدہ یاد ہے۔“ پھر اُس نے نسیم کا جوڑا نکال کر ان کو دکھایا۔ احمد نے کہا: ”کیا میری پتلون اور بُشرٹ تیار نہیں ہوئی؟“ حبیب نے کہا ”کیوں نہیں! دونوں کپڑے تیار ہیں۔ آپ ذرا یہ بُشرٹ پہن کر دیکھیے۔“ احمد نے بُشرٹ پہن کر دیکھی تو بالکل ٹھیک تھی۔ صرف بٹن ٹانگنا باقی تھے۔ شاگرد نے جلدی سے انگشتانہ چڑھایا اور بٹن ٹانگنے لگا۔ احمد کے آبا نے حبیب سے کہا: ”یہ تم نے بہت اچھا کیا کہ اسے یہ ہنر سکھا دیا۔“ حبیب بولا ”ہاں بابو جی۔ یہ ہمارا آبا ہی پیشہ ہے۔ یہ لڑکا ہوشیار ہے۔ تھوڑے ہی دنوں میں بڑا اچھا کام کرنے لگا ہے۔“ ہاں بھی تمہارا بیٹا ہے۔ محنت تو اس کی گنتی میں پڑی ہے۔“ احمد کے آبا نے کہا: ”بابو جی! ملازمت میں کیا رکھا ہے۔ یہ ہنر سیکھ لے گا تو عزت کی روٹی کما کھائے گا۔“ حبیب نے کہا۔ احمد کے آبا اور حبیب تو باتیں کر رہے تھے لیکن احمد کپڑے کی سلائی کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ کپڑا از خود آگے برکتا چلا جا رہا تھا۔ مشین کا پہیہ تیزی سے گھوم رہا تھا۔ کاری گر کے ہاتھ تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔

اتنے میں مشین کا دھاگا ٹوٹ گیا۔ اُس نے مشین کو کھولا اور نیچے سے ایک پھر کی نکالی جس میں دھاگے کی ایک ریل پھنسی ہوئی تھی۔ اس نے وہ ریل نکال کر پھر کی کو صاف کیا اور پھر ریل اس میں لگا دی۔ پتیا پھر تیزی سے گھومنے لگا۔ سوئی تیز تیز چلتے لگی۔ احمد بہت حیران ہوا اور اُس نے کہا ”اس مشین میں تو دو دھاگے چل رہے ہیں۔ ایک اوپر سے سوئی کے ناکے میں سے گزر رہا ہے اور دوسرا نیچلی پھر کی میں سے آتا ہے“ حبیب نے کہا: ”بابو جی! مشین میں دو دھاگے بیک وقت چلتے ہیں اور نیچے کو دیکھیں تو کپڑے کے دونوں جانب سیدھے اور صاف ٹانگوں کی ایک قطار نظر آتی ہے“ نسیم نے کہا: ”ابو جان! یہ سب باتیں ہم نے سلائی کے کام میں سیکھی تھیں“ احمد کے ابا نے کہا: ”احمد، اب آپ سمجھ گئے ہوں گے۔ یہ مشین سلائی کا کام کس طرح کرتی ہے“ احمد نے کہا: ”جی ابو! یہ مشین بڑے کام کی چیز ہے، اس کی مدد سے دنوں کا کام گھنٹوں اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہو جاتا ہے اور پھر سلائی بھی بڑی مضبوط اور نفیس ہوتی ہے“

حبیب نے کہا: ”اب تو سلائی کی مشینوں کے ساتھ مختلف پُرزے لگا کر ان سے کئی کام لیے جاتے ہیں۔ ان سے جھار بنانے، سنجاف لگانے اور لہریا بنانے کا کام بھی کیا جاسکتا ہے“ اتنے میں لڑکے نے بٹن ٹانک دیے اور بش شرٹ تیار ہو گئی۔

احمد کے ابا نے کہا: ”معاف کیجیے گا، ہم نے آپ کا بہت سا وقت لے لیا“ حبیب نے کہا: ”بابو جی! آپ شرمندہ نہ کریں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے“





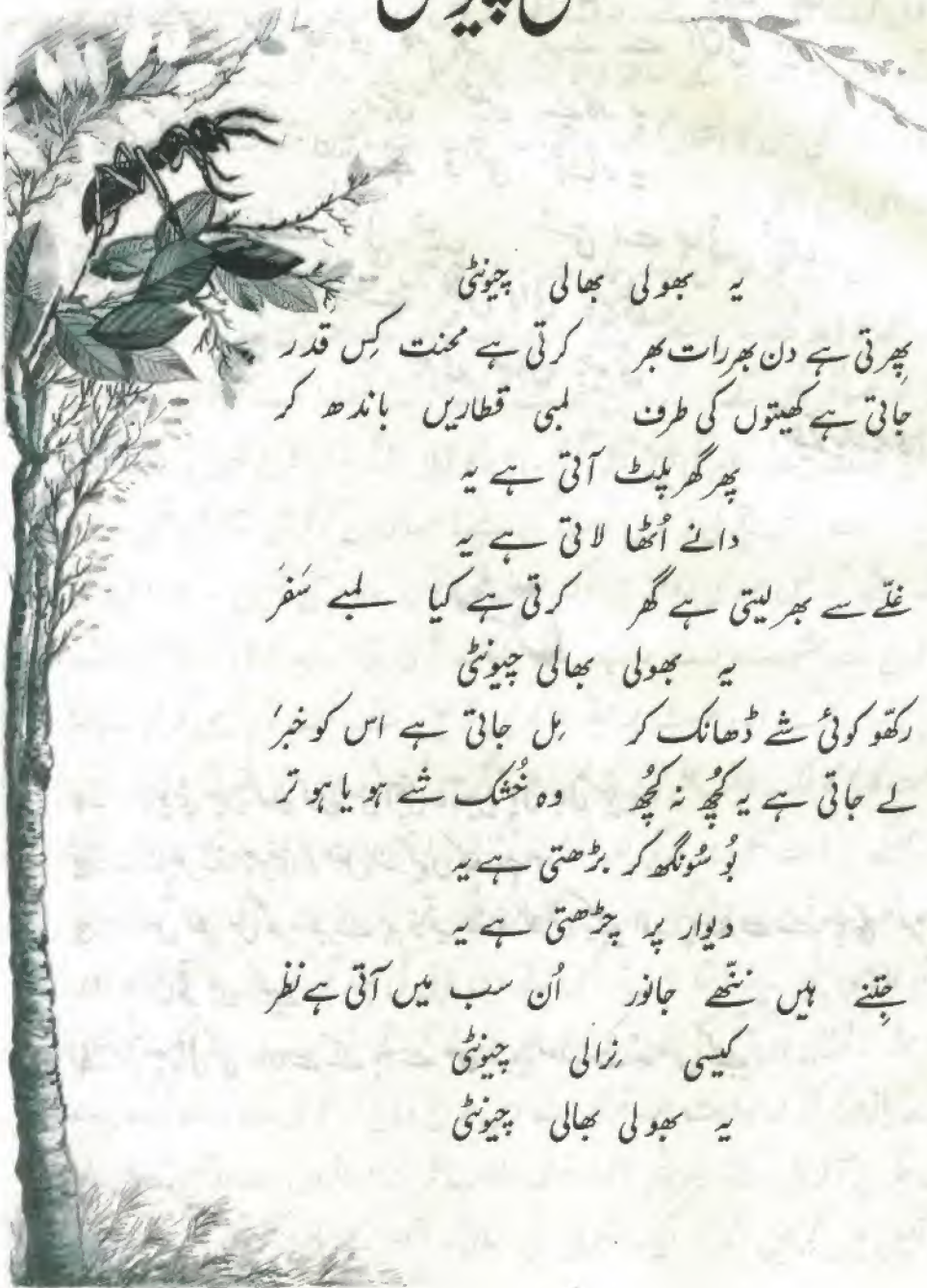
## مشق

- 1- ان سوالوں کے جواب دیجیے :
  - (i) آخری عشرے سے کیا مراد ہے ؟
  - (ii) دُزری کپڑا کیسے ریتا ہے ؟
  - (iii) دُزری انگشتانہ کیوں استعمال کرتے ہیں ؟
- 2- سلائی مشین کے فائدے بیان کیجیے۔
- 3- یہ پیشہ ور کیا کیا کام کرتے ہیں :
 

لوہار - بڑھئی - دھوبی - موچی - نائی۔
- 4- اس سبق میں سے ایسے دس فعل چُن کر لکھیے جن میں گُزرا ہوا زمانہ پایا جائے۔ مثلاً  
کیا کھایا تھا۔ جارہا تھا۔
- 5- بیوتنا۔ سنجاف۔ شرمندہ۔ آستین۔ وعدہ۔ ملازمت۔ پُرزہ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔



## محنتی چیونٹی



یہ بھولی بھالی چیونٹی  
 پھرتی ہے دن بھر رات بھر کرتی ہے محنت کس قدر  
 جاتی ہے کھیتوں کی طرف لمبی قطاریں باندھ کر  
 پھر گھر پلٹ آتی ہے یہ  
 دانے اکٹھا لاتی ہے یہ  
 غلے سے بھر لیتی ہے گھر کرتی ہے کیا لمبے سفر  
 یہ بھولی بھالی چیونٹی  
 رکھو کوئی شے ڈھانک کر بل جاتی ہے اس کو خبر  
 لے جاتی ہے یہ کچھ نہ کچھ وہ خشک شے ہو یا ہو تر  
 بوسٹونگھ کر بڑھتی ہے یہ  
 دیوار پر چڑھتی ہے یہ  
 چننے ہیں ننھے جانور اُن سب میں آتی ہے نظر  
 کیسی زراالی چیونٹی  
 یہ بھولی بھالی چیونٹی



محنت سے شرماتی نہیں مشکل سے گھبراتی نہیں  
 کیسا ہی بھاری کام ہو کرنے سے اکتاتی نہیں  
 رہتی نہیں بے کار یہ  
 ہے واقعی ہشیار یہ  
 سُستی اسے آتی نہیں سُستی اسے بھاتی نہیں  
 ہے عقل والی چیونٹی  
 یہ بھولی بھالی چیونٹی

(حفیظ جالندھری)

## مشق

- 1- چیونٹی میں کون کون سی اچھی عادتیں پائی جاتی ہیں؟
- 2- شاعر نے چیونٹی کو عقل مند کیوں کہا ہے؟
- 3- اس نظم میں گھر-خبر کے ہم قافیہ الفاظ تلاش کیجیے اور اپنی طرف سے پانچ مزید الفاظ بھی لکھیے۔
- 4- چیونٹی کی عادات کے بارے میں مزید معلومات حاصل کیجیے۔

## اگلا مورچہ



سوار محمد حسین شہید

دسمبر 1971ء کے سرد دھندلکے میں ایک  
جانباز مجاہد اور اس کے ساتھی پیٹ کے بل  
ریگتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔  
ایسی سردی میں سانس روک کر پیٹ کے بل  
ریگتے آسان نہ تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ ایک پتہ  
بھی کھڑکا تو دشمن بھرپور اٹھے گا۔ ذرا سی  
آہٹ پر دشمن کی توپوں کے دہانے آگ اُگلنے  
لگیں گے۔ اور یہاں وہاں چھپے ہوئے

دشمن کی سٹین گنیں اُن پر گولیاں برسانا شروع کر دیں گی۔ ان تمام خطروں کے  
باوجود وہ انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے کسی ایسے ٹھکانے کی تلاش میں تھے جہاں وہ  
اپنے لیے ایک محفوظ اور مضبوط مورچہ تیار کر سکیں تاکہ ایک طرف دشمن کی حرکات و سکنات  
کی خبریں اپنی فوج کو دے سکیں اور دوسری طرف دشمن کو بوکھلا کر اس کے قدم اُکھاڑ دیں  
وہ جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے، خطرہ ان سے قریب ہو رہا تھا۔ لیکن ان کو اس کی  
پر وا ہی کب تھی! وہ اس خطرے ہی کو تو اپنی سرحدوں سے دور رکھنے کے لیے دشمن  
کے اس علاقے میں گھس آئے تھے جہاں وہ حملے کی پوری تیاریاں کیے آگے بڑھنے کو  
تیار بیٹھا تھا۔

آہٹ اور کھٹکے کے خیال سے وہ ایک دوسرے سے بات بھی نہ کر سکتے تھے۔  
صرف آنکھوں اور گردن کے اشاروں ہی سے کام لے سکتے تھے۔ اپنی جانیں ہتھیلی پر



رکھ کر اس خطرناک علاقے میں گھس آنے والے جانباز جوانوں کی نظریں گھنی بھٹنوں ، موٹی آنکھوں والے اس تنومند جوان کی طرف لگی ہوئی تھیں جو اُن کی رہنمائی کر رہا تھا۔ اس کے اشارے کے منتظر ، وہ درختوں اور گھنی جھاڑیوں کی آڑ لیتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ یکایک اُن کا راہنما ایک جگہ پہنچ کر رُک گیا۔ اس کے اشارے پر اس کے ساتھیوں نے آگے بڑھنا بند کر دیا۔

ادھر ادھر دیکھ کر اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اُن پر کسی کی نظر نہیں پڑے گی، اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر وہ سب بل کر ایک مضبوط مورچے کی تیاری میں مصروف ہو گئے۔ مورچے تیار کر لینے کے بعد اُس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ وہ ڈٹ کر وہاں بیٹھ جائیں اور خود دشمن کے ٹھکانوں ، اور تیاریوں کا کھوج لگانے کے لیے آگے بڑھ گیا۔ یہ نوجوان ٹنکر گڑھ (سیالکوٹ) کے محاذ پر پاکستانی فوجوں کے بکتر بند دستے کا سوار محمد حسین تھا جو عہدے کے لحاظ سے جیپ ڈرائیور تھا۔ پاکستان کی سرحدوں پر جنگ چھڑ چکی تھی۔ چھ سال کے عرصے میں یہ دوسری جنگ تھی جو پاکستانی قوم کو اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لیے لڑنا پڑی۔

سوار محمد حسین گوجر خاں ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد 1966ء میں انھوں نے فوج میں ملازمت کر لی۔ یہی وہ سوار محمد حسین تھے جو ایک بے قرار روح کی طرح دشمن کے ٹھکانوں اور ارادوں کا کھوج لگانے کے لیے دشمن کے علاقے ہر زخورد میں گھوم رہے تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ اس علاقے میں چتے چتے پر دشمن پوری تیاریوں کے ساتھ موجود ہے۔ قدم قدم پر بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں اور اُن پر ایک قدم بھی پڑ گیا تو ان کے پر نچے اڑ جائیں گے۔ لیکن یہ خطرہ انھوں نے خود ہی تو مول لیا تھا ان کو معلوم تھا کہ دشمن اپنا پورا دباؤ اس محاذ پر ڈالنے والا ہے اور ایسے وقت میں دشمن کے علاقے میں گھس کر پل پل کی خبر لانا ضروری ہے۔ یہ کام بے حد مشکل اور اہم ہے۔ جنگ کے سارے نقشے

اور فتح یا شکست کا دار و مدار اسی کام پر ہوتا ہے۔ اس کام کو بہت ہوشیاری اور انتہائی مستعدی سے کرنا پڑتا ہے۔ سوار محمد حسین کو یقین تھا کہ اُس کام کو وہ بہتر سے بہتر طریقے پر انجام دے سکتے ہیں۔

شکر گڑھ کے علاقے پر دشمن کا دباؤ اور خطرہ بڑھ رہا تھا اور واقعی دشمن کی پل پل کی خبر ملنا بے حد ضروری تھا، چنانچہ جب لانسز کو حکم ملا کہ وہ دشمن کے علاقے میں بیس کلومیٹر تک گھس جائیں تو ان کے افسر نے فیصلہ کر لیا کہ محمد حسین کو یہ فرض سونپ کر ان کی خواہش پوری کر دی جائے۔ محمد حسین اپنے تین ساتھیوں سمیت پانچ دسمبر کو اس مہم پر روانہ ہوئے۔ نو دسمبر تک انھوں نے انتہائی پھرتی اور مستعدی سے دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا۔ دشمن حیران تھا کہ وہ آخر ہیں کہاں؟ اپنے مورچے میں بیٹھ کر لگاتار گولیاں برسانے، دشمن کی اچھی خاصی تعداد کو موت کے گھاٹ اتارنے اور اپنے ساتھیوں کو مورچے میں ڈٹے رہنے کی ہدایت کرنے کے بعد محمد حسین اور بھی زیادہ مشکل کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اب وہ دشمن کے اہم ٹھکانوں کا پتا لگاتے، اپنے افسر کو سگنل پر ان کی خبر دیتے اور کبھی خود پچھلے مورچوں پر جا کر مسلسل گولہ باری کرواتے۔ نو دسمبر تک دشمن کے قریباً ڈیڑھ درجن ٹینک تباہ ہو چکے تھے اور وہ رُوسی ساخت کے جدید ترین بے شمار اسلحہ کے باوجود پاکستانی سرحد کی طرف قدم نہ اٹھا سکا۔ سوار محمد حسین کی کامیاب مخبری نے دشمن کو حیران کر رکھا تھا اور اُسے اس مجاہد کا کہیں کھوج نہ ملتا تھا۔ دشمن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ انسان ہے یا پھلاوہ، جو دونوں طرف آگ اگلتی ہوئی توپوں اور سنسناتی ہوئی گولیوں کی بوچھاڑ میں اتنا چوکس، اتنا چوکنا ہو کر اپنا کام کر رہا ہے۔ نو دسمبر کی شام تک دشمن زچ ہو کر رہ گیا۔ لیکن یہ وقت نہ صرف پاکستان کی سرحد بلکہ محمد حسین پر بھی بھاری تھا۔

دُھند کی شدت کے علاوہ نالا پانی سے بھر گیا تھا اور دشمن کی کارروائیوں کا اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا۔ ایک لمحے کو محمد حسین کی آنکھیں بھی بھرائیں یہی تو وقت



تھا جب دشمن کی بھرپور کارروائیوں سے اپنی فوج کو باخبر رکھنا ضروری تھا۔ ملک کی سرحد کی جانب خطرہ بڑھ رہا تھا۔ ایک بار انھوں نے اپنی سرحدوں کی طرف نظر اٹھائی گویا کہتے ہوں: اطمینان رکھنا! سوار محمد حسین جب تک زندہ ہے، دشمن ایک قدم آگے نہ بڑھ پائے گا۔“

مشکلات سے ہار مان لینا محمد حسین کی فطرت میں نہ تھا۔ انھوں نے نالا پار کیا اور عین اس علاقے میں گھس گئے جہاں دشمن کی بھاری اکثریت موجود تھی۔ رکاوٹیں اور مشکلات پاکستان کے اس جیلے بیٹے کے آگے کیا حقیقت رکھتی تھیں۔ وہ اپنی جان جو کھوں میں ڈال کر دشمن کے ہراڑے اور ہر ٹھکانے کا پتا اپنے توپ خانے کو دیتے اور مسلسل گولہ باری کرواتے، ساتھ ہی مورچے میں بیٹھے اپنے ساتھیوں سے بھی گولیاں برسواتے اور نعرہٴ تکبیر لگا لگا کر ان کے دلوں کو گرماتے رہے۔ آخر ان کی شہادت کا وقت قریب آگیا۔ دشمن کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ زبردست کھوجی، جس نے پانچ دسمبر سے لے کر نو دسمبر تک اس کی ساری قوتوں کو شل کر کے رکھ دیا ہے، کہاں چھپا ہوا ہے۔ چنانچہ گولیوں کی ایک بارش آئی اور پاکستان کے اس انمول بیٹے کے سینے کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ گرم گرم جوان لہو کی ایک دھار نکل کر مٹی میں جذب ہو گئی۔ انھوں نے ایک بار اپنا سر اٹھا کر سرحد کی طرف دیکھا اور پھر زمین پر رکھ دیا۔ انھوں نے اپنا فرض اور وعدہ پورا کر دیا تھا۔ وہ بہت تھک گئے تھے، انھیں آرام کی ضرورت تھی اور اب وہ ہمیشہ کی نیند سو گئے تھے۔ قوم نے شہید کی بیشال جرات اور خدمات کا اعتراف ان کو پاکستان کا سب سے بڑا اعزاز ”نشان حیدر“ دے کر کیا محمد حسین کی شہادت پاکستانی قوم اور اس کی سرحدوں کے لیے حفاظت کا پیمان بن گئی ہے۔ جب تک قوم میں محمد حسین جیسے بیٹے موجود ہیں، وطن کی سرحدیں محفوظ رہیں گی۔ محمد حسین کے بوڑھے باپ نے بیٹے کی شہادت کا سن کر کہا:

”محمد حسین میرا اکوتا بیٹا اور خاندان کا واحد سہارا تھا۔ ٹھکر ہے کہ اُس نے وطن اور

اسلام کی لاج رکھ لی۔ مجھے خوشی ہے تو اس بات کی کہ میرے بیٹے نے میدان جنگ میں پیٹھ پر نہیں، شیر کی طرح سینے پر گولی کھائی ہے۔  
 رکتے خوش نصیب ہوتے ہیں وہ ماں باپ جن کے گھر میں محمد حسین شہید جیسے بیٹے پیدا ہوتے ہیں۔



## مشق

- 1- پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز کون سا ہے؟
- 2- "نشان حیدر" کن لوگوں کو دیا جاتا ہے؟
- 3- سوار محمد حسین کی خواہش کیا تھی؟
- 4- سوار محمد حسین نے کون سا کارنامہ انجام دیا؟
- 5- آپ کسی اور ایسے شہید کے حالات بھی پڑھیں جسے "نشان حیدر" کا اعزاز ملا ہو۔
- 6- سبق میں سے مشکل الفاظ چُن کر فہرست بنائیے اور اُن کے معنی استاد صاحب سے پوچھ کر لکھیے۔
- 7- 1965ء کی جنگ کا کوئی مشہور واقعہ اپنی کاپی میں لکھیے۔
- 8- آپ اپنے ملک کی حفاظت کے لیے کیا کچھ کرنا چاہتے ہیں؟ سادہ لفظوں میں بیان کیجیے۔



## ہوا



ہوا جاں دار کو رکھتی ہے زندہ  
ہوا کے بل پہ اڑتا ہے پرندہ  
ہوا آواز کو پہنچائے ہر جا  
ہوا ہو گی جہاں کچھ بھی نہ ہوگا

کوئی خالی جگہ خالی نہیں ہے  
ہوا کا دور دورہ ہر کہیں ہے

کبھی دم سادھ کر گم ضم رہے گی  
کبھی پروا، کبھی پھپھو بنے گی  
کبھی انکھیلیاں کرتی ملے گی  
کبھی آندھی کی صورت میں چلے گی

جھلائے گی کبھی شاخوں کو جھولا  
کبھی بن جائے گی اٹھتا بگولا

ہوا جب گرم ہو، ہوتی ہے ہلکی  
جو ہلکی ہو، تو اوپر کو ہے اٹھتی  
جگہ لینے کو پھر اس کی، ہوا ہی  
بڑی تیزی سے اس جانب ہے بڑھتی

یہی وصف اس کالائے مرد جھونکے  
اسی سے خاک اڑے، طوفان اٹھے

ہوا کو جس جگہ ، جس طور دیکھو  
 ہوا بے رنگ ہے ، خالص اگر ہو  
 ہوا کا وزن ہے ، اس کو جو تولو  
 ہوا پھیلے گی ، پچکے گی ، یہ جانو  
 ہوا ہنستی بھی گاتی بھی ملے گی  
 اگر گیسوں کی صورت میں رہے گی  
 (قیوم نظر)

## مشق

- 1- اس نظم میں ہوا کے متعلق جو باتیں بیان کی گئی ہیں ، انہیں ترتیب وار لکھیے۔
- 2- چوتھے بند کو پڑھ کر بتائیے کہ آئندہ بھی کسے کہتے ہیں ؟
- 3- ان لفظوں کے معنی بتائیے اور انہیں جملوں میں استعمال کیجیے :  
 بل پر - دور دورہ - دم سادھنا - گم سُم - پچھوا - اٹکھیلیاں - گولا - وصف - بے رنگ -  
 خاک اڑانا۔
- 4- اس نظم سے ایسے افعال کی فہرست بنائیے جن میں آنے والا زمانہ پایا جاتا ہو۔
- 5- ہوا کی مختلف صورتوں کے بارے میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی فہرست بنائیے۔



## بڑا بھائی

دوپہر کا وقت تھا، ٹو چل رہی تھی۔ سڑکوں اور بازاروں کی رونق کم ہو گئی تھی البتہ بس سٹاپ پر بہت ہجوم تھا۔ ہماری آبادی بڑھ گئی لیکن ہمارے وسائل ابھی تک اس قدر نہیں بڑھے۔ اس لیے بسوں، وگینوں، رکشوں کی کمی اور مسافروں کے زیادہ ہونے کی وجہ سے لوگوں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا ہے۔ سٹاپ کے قریب گنڈیری والوں اور شربت بیچنے والوں کی خوب بکری تھی۔ دھوپ میں کھڑے بس کا انتظار کرنے والے مسافر اپنی پیاس بجھانے کے لیے گنڈیریاں اور شربت کے گلاس خرید رہے تھے۔ افسوس کی بات یہ تھی کہ گنڈیریاں چوس چوس کر پھوک زمین پر پھینک رہے تھے۔ پلاسٹک کے لفافے بھی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے اور یوں ماحول کی گندگی میں اضافہ

ہو رہا تھا۔ ان کی نظریں اس راستے کی طرف لگی ہوئی تھیں جہاں سے بس آنے والی تھی۔

بس کا انتظار کرنے والوں میں اظہر بھی شامل تھا۔ اس کو رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ آج بہت دیر ہو گئی ہے

میری امی بہت پریشان ہو رہی ہوں گی۔ اتنے میں بس کا اگلا حصہ چوک کے اُس طرف سے نمودار ہوا۔ بس دھیرے دھیرے سٹاپ کی طرف بڑھنے لگی تو اظہر کا



دل بچھ گیا۔ بس مسافروں سے کچھ کچھ بھری ہوئی تھی۔ جیسے ہی بس رکی، مسافر پکے اور جوں توں کر کے اُس پر چڑھ گئے۔ صرف اظہر اور اُس کا دوست رہ گئے۔ بس چلنے ہی کو تھی کہ وہ دونوں پائڈان کے ساتھ والا ڈنڈا پکڑ کر بس کے ساتھ لٹک گئے۔ کنڈیکٹر نے منع بھی کیا کہ اگلی بس کا انتظار کر لو، یہ خطرناک حرکت ہے، لیکن اظہر نے اس کی ایک نہ سنی اور اسی طرح لٹکا رہا۔

بس میں جگہ حاصل کرنے کے لیے مسافروں میں کش مکش ہو رہی تھی کہ ایک دھکا لگا اور اظہر کا ہاتھ ڈنڈے پر سے پھسل گیا اور وہ ایک جھٹکے کے ساتھ زمین پر آ رہا۔ بس رُک گئی کنڈیکٹر اور مسافر اُس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ کنڈیکٹر نے سہارا دے کر اُس کو اٹھانا چاہا تو درد کی شدت سے اظہر کی چیخ نکل گئی۔ اس کا بایاں بازو بُری طرح جھول رہا تھا۔ کنڈیکٹر گھبرا گیا۔ ارے! اس بچے کی تو ہڈی ٹوٹ گئی ہے! مسافروں کو گرمی ستا رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ بس جلدی روانہ ہو تاکہ اپنے ٹھکانوں پر پہنچ سکیں۔ وہ اس کو طرح طرح کے مشورے دے رہے تھے۔ ایک بڑی بی اسے چمکار کر بولیں: "اے بیٹے! ہمت کر کے اندر سیٹ پر بیٹھ جا کہ بس تو چل سکے۔ اُف تو بہ کیسی گرمی ہے۔" اسی وقت کالج کا ایک طالب علم آگے بڑھ کر بولا: "اگر اس کا بازو یوں ہی جھولتا رہا تو بس کے ہر جھٹکے پر اسے تکلیف ہوگی اور ہڈی کا ٹوٹنا ہوا برا غلط جانب ہو جانے کا خطرہ بھی ہے۔" پھر وہ اظہر کے قریب بیٹھ گیا اور اس کا بازو چھوتے ہوئے بولا "لاؤ میں تمہارے بازو کی عارضی پٹی کیے دیتا ہوں۔" اُس نے اپنی کاپی کی چلد توڑ کر اس کا گتہ نکالا اور اس کو موڑ کر لکڑی کی پچھتی کی طرح کر لیا۔ پھر اپنے گڑتے کی جیب سے ایک پٹی نکالی۔ اظہر کے بازو کو پکڑ کر مہارت اور نرمی سے اس طرح دبایا کہ ہڈی کے ٹوٹے ہوئے سرے ٹھیک جگہ پر آکر مل گئے۔ پھر پٹی باندھ دی۔ طالب علم نے مسافروں سے دو تین رومال لیے، اُن کو آپس میں گرہیں لگا کر ایک تکیوں کی پٹی بنائی۔ اظہر کے بازو کو پٹی کا سہارا دے



کر اس کے گلے میں ڈال دیا۔

اظہر کو سکون سا آگیا تھا۔ طالب علم نے پاس کھڑے شربت والے سے شربت کا ایک گلاس لے کر اظہر کو پلایا اور کہنے لگا ”چلو میں تمہیں گھر تک پہنچاؤں“۔ بس روانہ ہو گئی۔ طالب علم نے ایک رکشا روکا اور اظہر کو اس میں بٹھالیا۔ اظہر کہنے لگا ”بھائی جان میری وجہ سے آپ کو بہت زحمت ہوئی“ طالب علم نے جواب دیا ”نہیں بھائی! یہ تو میرا فرض تھا“ اظہر نے پوچھا ”بھائی جان! کیا آپ ڈاکٹر ہیں؟“ طالب علم نے جواب دیا ”نہیں بھائی میں ڈاکٹر نہیں میں تو سکاوٹ ہوں، ہمیں ابتدائی طبی امداد کی تربیت بھی دی جاتی ہے“ اظہر نے پوچھا ”ابتدائی طبی امداد کا کیا مطلب ہے؟“ طالب علم بولا ”ابتدائی طبی امداد

کا مطلب ہے حادثوں یا وباؤں میں فوری طور پر انسانوں کی مدد کرنا“ ہمارا کام تو مریض کی عارضی دیکھ بھال کرنا اور پوری طبی امداد ملنے تک اس کی حالت کو سنبھالے رکھنا ہے“ اظہر کہنے لگا ”بھائی جان آپ نے میرا بازو باندھنے کے لیے اپنی جیب سے جھٹ پٹی نکال لی۔ کیا آپ کو پتا تھا کہ آپ کو راستے میں کسی کی پٹی کرنی پڑے گی؟“

طالب علم اس کے سوال پر ہنس پڑا: ”بھائی یہی تو ہماری تربیت کا مقصد ہے کہ ہم ہمیشہ اور ہر جگہ ایسے حادثوں کے لیے تیار رہیں۔ اب دیکھو نا خطرہ تو ہر وقت اور ہر جگہ انسان کے ساتھ لگا رہتا ہے“ اظہر ہنسا اور بولا ”ہاں جیسے میں بس کے ساتھ لٹکے ہوئے گر گیا“

طالب علم نے کہا ”اظہر میاں! اس میں خطرے سے زیادہ خود تمہاری خطا تھی۔ وہ تو کوئی خیر ہو گئی۔ بس کی رفتار کم تھی، ورنہ خدا جانے کتنی چوٹ آتی“ اظہر نے پھر پوچھا: ”آپ کن کن حادثوں میں لوگوں کی مدد کر سکتے ہیں؟“

طالب علم بولا ”ہر قسم کے حادثوں میں۔ کوئی زخمی ہو جائے، کسی کی ہڈی

ٹوٹ جائے، ڈوب کر بے ہوش ہو جائے، ٹوٹ جائے یا جل جائے، ہمیں ان تمام حادثوں کے شکار مریضوں کو دُکھ درد سے فوری نجات دلانے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر ٹیکا لگانا بھی سکھایا جاتا ہے۔ ”اظہر اُچھل پڑا“ ارے بھائی جان! آپ لوگ میدانِ جنگ میں بھی کام کر سکتے ہیں؟ طالبِ علم نے اظہر کو بتایا: ”میدانِ جنگ ہی میں تو سب سے زیادہ اس امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ زخمیوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے ابتدائی طبی امداد کے باقاعدہ دستے لڑنے والے دستوں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور پوری طبی امداد ملنے تک زخمیوں کو سنبھالے رکھتے ہیں۔ مریض کو ادھر سے ادھر لے جانا ہو تو وقت پڑنے پر تین آدمیوں کی مدد سے انسانی سٹریچر تیار کر لیتے ہیں۔“ طالبِ علم نے کہا: ”شہری دفاع والوں کو بھی ہماری ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اظہر میاں! جنگ ہو یا امن ہمارا کام دُکھ درد میں مبتلا انسانوں کی جھٹ پٹ امداد کرنا ہوتا ہے۔“ رکشا اب اظہر کے گھر کے قریب رُک گیا تھا۔ اظہر کہنے لگا: ”بھائی جان! میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں؟“ طالبِ علم نے مسکرا کر کہا: ”اس طرح کہ تم بھی ابتدائی طبی امداد کی تربیت حاصل کر کے دُوسروں کی مدد کرو۔“ اظہر نے کہا: ”اچھا بھائی جان! آپ کا نام کیا ہے؟“

طالبِ علم نے جھک کر اظہر کے سر پر پیار کیا اور محبت سے بولا ”تمھارا بڑا بھائی۔“ پھر کہنے لگا: ”یاد رکھو! ہر بڑا طالبِ علم چھوٹے طالبِ علم کا بڑا بھائی ہوتا ہے۔“







## مشق

- 1- (ا) اظہر نے کیا غلطی کی اور اس غلطی کی اسے کیا سزا ملی ؟  
 (ب) سکاوٹ نے اظہر کو کس طرح پتلی باندھی ؟  
 (ج) اظہر نے سکاوٹ کا نام پوچھا تو اُس نے کیا جواب دیا ؟  
 (د) بڑے بھائی نے شکریہ ادا کرنے کا کیا طریقہ بتایا ؟
- 2- ابتدائی طبی امداد کے بارے میں آپ نے جو کچھ اس سبق میں پڑھا ہے، اُسے اپنے الفاظ میں لکھیے۔
- 3- ”دھیرے دھیرے“ کی طرح کے کچھ اور مرکب بنائیے : جیسے ”ہولے ہولے“۔
- 4- دل بچھ جانا۔ کھپا کھچ۔ ایک نہ سُنا۔ کش مکش ہونا۔ سکون آنا۔ دیکھ بھال کرنا کو جُملوں میں استعمال کیجیے۔
- 5- گرم۔ دیر۔ قریب۔ درست۔ تکلیف۔ عارضی کے متضاد الفاظ لکھیے۔

## حقوق اور فرائض

اختر مدرسے سے گھر لوٹنے کے بعد بڑی بے صبری سے اپنے آبا کا انتظار کر رہا تھا۔ اُسے جس تقریری مقابلے میں حصہ لینا تھا، آج اس کے موضوع کا اعلان ہو گیا تھا۔ اُسے ”حقوق اور فرائض“ کے عنوان پر تقریر کرنا تھی۔ وہ اپنے مدرسے کا بہترین مقرر سمجھا جاتا تھا اور ہر تقریری مقابلے میں ہمیشہ اول آتا تھا، لیکن آج وہ کچھ پریشان تھا۔ عنوان قدرے مشکل تھا اور اسے ڈر تھا کہ کہیں اب کے وہ کسی سے مات نہ کھا جائے۔ وہ اپنے آبا سے رہنمائی چاہتا تھا اس لیے وہ اُن کی واپسی کا شدت سے منتظر تھا۔ آخر خدا خدا کر کے اختر کے آبا کے سکوتر کی آواز آئی اور اختر کی جان میں جان آئی۔ اُس نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ آبا جان کو سلام کیا اور کسی وقفے کے بغیر کہنے لگا۔ ”ابو! اتوار کو ہمارا تقریری مقابلہ ہے، مجھے ”حقوق اور فرائض“ کے عنوان پر تقریر کرنا ہے۔ سوچ رہا تھا کہ اس موضوع پر کیا کہا جاسکتا ہے؟“ اختر کے آبا یہ سن کر بولے: ”بیٹے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ موضوع بہت واضح اور اہم ہے۔ میں کھانا کھا کر تھوڑا سا سستا لوں، رات کو اطمینان سے بیٹھیں گے اور بات ہو گی۔“

اختر نے جوں توں کر کے شام کا وقت گزارا۔ اتنے میں رات کا کھانا تیار ہو گیا۔ جب سب لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے تو اختر کے آبا نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا: ”اب کو بیٹے! تم کیا پوچھنا چاہتے ہو، وہی حقوق و فرائض کی بات؟ تو سنو! فرائض سے مراد آپ کی ذمہ داریاں ہیں۔ یعنی وہ کام جن کا کرنا آپ پر فرض ہے اور جن کے نہ کرنے سے آپ قصور وار ٹھہرائے جاسکتے ہیں۔ اور حقوق سے مراد وہ سہولتیں اور آسائشیں ہیں جن کا حاصل ہونا آپ کا حق ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کے کچھ حقوق



ہیں اور کچھ فرائض۔ ان حقوق اور فرائض کا علم ہر شخص کو ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنے فرائض ادا کر سکے اور اپنے حقوق حاصل کر سکے۔ اگر ہم سب کو اپنے اپنے حقوق و فرائض کا پاس ہو تو ہم خود بھی خوش رہ سکتے ہیں اور دوسروں کی زندگی کو بھی خوشگوار بنا سکتے ہیں۔

اختر اپنے ابا کی باتیں بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔ اُس نے پوچھا: ”ابو! یہ تو بتائیے کہ انسان کے حقوق کیا ہیں اور فرائض کیا؟“ اختر کے ابا نے جواب دیا: ”بیٹے! بات یہ ہے کہ اس دنیا میں ایک شخص کی ایک حیثیت نہیں ہوتی۔ ہر انسان ایک شہری ہونے کے علاوہ ایک ہی وقت میں بہت سی حیثیتوں کا مالک ہے۔ وہ کسی کا بیٹا ہے اور کسی کا باپ، کسی کا بھائی اور کسی کا دوست۔ اسی طرح عورت بھی کسی کی بیٹی اور کسی کی ماں، کسی کی بہن ہے اور کسی کی سہیلی ہر حیثیت سے اس کے حقوق اور فرائض جدا جدا ہیں۔ تم اپنی ہی مثال لے لو۔ اس گھر میں تمھاری حیثیت ایک بیٹے کی ہے، مدرسے میں تمھاری حیثیت ایک طالب علم کی ہے، اس محلے میں تمھاری حیثیت ایک پڑوسی کی ہے اور اس شہر اور ملک میں تمھاری حیثیت ایک شہری کی ہے۔ ایک بیٹے کی حیثیت سے یہ تمھارا حق ہے کہ تم اس گھر میں رہو۔ اس گھر کی تمام سہولتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ کھانا پینا، علم حاصل کرنا، ماں باپ کی شفقت، بہن بھائیوں کا پیار یہ سب تمھارے حقوق میں شامل ہے اور اگر ہم تمھیں یہ سب سہولتیں مہیا کرتے ہیں تو تم پر احسان نہیں کرتے اس لیے کہ یہ تمھارا حق ہے، لیکن ان حقوق کے ساتھ ساتھ ایک بیٹے کی حیثیت سے تمھارے کچھ فرائض بھی ہیں۔ مثلاً یہ کہ ماں باپ کا کہا مانو۔ بہن بھائیوں کو تنگ نہ کرو، ان کے حقوق نہ چھینو۔ بڑوں کی عزت کرو اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آؤ، گھر کے کام کاج میں دوسروں کا ہاتھ بٹاؤ، پڑھنے کے وقت پڑھو اور کھیلنے کے وقت کھیلو۔ اب ذرا حقوق و فرائض کی اس ترتیب پر غور کرو۔ ایک بیٹے کی حیثیت سے جو تمھارے حقوق ہیں، وہ میرے اور تمھاری امی کے فرائض ہیں اور جو تمھارے فرائض ہیں، وہ ہمارے حقوق ہیں۔ یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم تمھارے حقوق پورے کریں اور اسی طرح یہ تمھارا فرض ہے کہ تم ہمارے حقوق پورے کرو۔“

بات واضح ہو چکی تھی۔ اختر سوچتا جا رہا تھا کہ ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ میرا حق ہے کہ مدرسہ مجھے بہترین تعلیمی سہولتیں مہیا کرے۔ استاد مجھے شفقت سے پڑھائیں۔ کھیل کود کے مواقع میسر ہوں، اور یہ میرا فرض ہے کہ میں توجہ سے پڑھوں، مدرسے کے نظم و ضبط کا خیال رکھوں، اپنے استادوں کی عزت کروں اور ان کا حکم مانوں، اپنے ہم جماعتوں اور مدرسے کے ساتھیوں کے ساتھ مل جل کر رہوں، بڑوں کی عزت کروں اور چھوٹوں سے پیار کروں۔ ”پھر اختر نے سوچا“ آج کل منشیات کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں کو چھوڑیے بچے بھی اس بُرائی میں پھنستے جا رہے ہیں۔ اس صورت میں میرا فرض کیا ہونا چاہئے؟

پہلے تو یہ کہ میں خود اس بُرائی سے دور رہوں۔ اگر کبھی میرا کوئی دوست مجھے کسی ایسی عادت کی دعوت دے تو اس کی بات نہ مانوں اس کے ساتھ دو سری ضروری بات یہ ہے کہ میں اپنے ساتھیوں کو نشے کی بُرائیوں سے آگاہ کروں۔ اگر کوئی ساتھی بُری صحبت میں پڑ کر سگریٹ نوشی وغیرہ کا عادی بن رہا ہو۔ تو اس کو اس عادت سے بچانے کی پوری کوشش کروں۔ میں اس سلسلے میں معلومات حاصل کروں تاکہ ایسے لوگوں کی بہتر خدمت کر سکوں۔ میں کل کی تقریر میں اپنے ساتھیوں کی بھی اس فرض کی طرف توجہ دلاؤں گا۔ ان شاء اللہ پھر اس کے ذہن میں خیال آیا کہ میں خالد کا پڑوسی بھی تو ہوں۔ ایک پڑوسی کی حیثیت سے یہ میرا فرض ہے کہ اسے تنگ نہ کروں، اس سے لڑائی جھگڑا نہ کروں، شور و غوغا سے اس کا سکون برباد نہ کروں، ریڈیو اور ٹیلی وژن کی آواز آہستہ رکھوں، اس کے گھر کے آگے کوڑا کرکٹ نہ پھینکوں، اس کے ماں باپ کی عزت کروں۔ اگر میں اپنے فرائض اور ہمسائے کے حقوق کا خیال رکھوں گا تو وہ بھی یقیناً میرے حقوق کا خیال رکھے گا۔

اختر کے ذہن میں حقوق و فرائض کا مسئلہ واضح ہو گیا تو اس نے کہا ”ابا جان! ذرا یہ تو بتاد مجھے کہ ایک شہری کی حیثیت سے ہمارے کیا حقوق ہیں اور کیا فرائض؟“ اختر کے ابا



بولے: بیٹے! ایک شہری کی حیثیت سے ہمارا سب سے پہلا فرض تو یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کے قانون کا احترام کریں اور ان پابندیوں کو خوشی سے قبول کریں جو قانون ہم پر عائد کرتا ہے۔ مثلاً ہر قسم کے ٹیکس ادا کریں، دوسرے شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کریں۔ دوسروں کی آزادی کا لحاظ کریں، اپنے وطن سے محبت کریں، جس شہر میں رہیں اس شہر کے قاعدوں کا احترام کریں۔ ٹریفک کے اصولوں کی پابندی کریں۔ شہر کی صفائی کا خیال رکھیں، دوسرے شہریوں کے حقوق کو پورا کرنے میں مدد دیں۔ ”یہاں پہنچ کر اختر کے ابا نے ذرا دم لیا تو اختر بولا: ”ابو! آپ نے فرائض تو سنوادیے، ذرا حقوق کی بات بھی تو کیجیے۔“ اختر کے ابا نے جواب دیا: ”بیٹے! ایک شہری کا سب سے پہلا حق تو اس کی آزادی ہے۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ ہر شخص کو آزادی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا حق دے۔ اس کا دوسرا حق اس کے جان و مال اور اس کی عزت کی حفاظت ہے۔ ملک اور شہر میں جو سہولتیں بھی مہیا ہیں ان سب سے فائدہ اٹھانا ایک شہری کا حق ہے، مثلاً پانی، بجلی، صفائی، ریڈیو، ٹیلی وژن، اخبارات اور تعلیم وغیرہ۔ ہر شخص کا یہ بھی حق ہے کہ اُسے جلال طریقے سے روزی کمانے کے وسائل مہیا ہوں۔ وہ سکون سے رہ سکے اور کوئی شخص اس کے ذاتی معاملات میں دخل نہ دے۔“

اختر نے یہ سب کچھ سنا تو اس کے ذہن میں کچھ باتیں خود بخود واضح ہو گئیں۔ اگر انسان اپنے فرائض ادا نہ کرے اور محض حقوق پر نگاہ رکھے تو یہ اس کی بہت بڑی بھول ہے۔ ایک اچھا انسان، اچھا شہری، اچھا باپ، اچھا بیٹا، اچھا استاد اور اچھا شاگرد کھلانے کے لیے یہ لازم ہے کہ ہم جہاں اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں، وہاں اپنے فرائض کو بھی یاد رکھیں۔ اگر ہم اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرنا شروع کر دیں تو ہمیں یقین ہے کہ ہمیں ہمارے حقوق خود بخود ملنے رہیں گے۔ یہ سوچتے ہوئے اختر اٹھا اور اپنے کمرے میں جا کر اپنے خیالات کو ایک تقریر کی صورت میں قلم بند کرنے لگا۔



## مشق

- 1- (i) حقوق سے ہم کیا مراد لیتے ہیں؟  
(ii) فرائض سے کیا مراد ہے؟  
(iii) ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ کے کیا فرائض ہیں؟  
(iv) ایک پڑوسی کی حیثیت سے آپ کے کیا حقوق ہیں؟  
(v) ایک بیٹے کی حیثیت سے آپ کے کیا فرائض ہیں؟  
2- حقوق - فرائض - وسائل - مواقع - خیالات کے واحد لکھیے۔
- 3- مات کھانا - جان میں جان آنا - منتظر - سناٹا - جوں توں کر کے - دریغ نہ کرنا -  
خدا خدا کر کے - نگاہ رکھنا - کے معنی لکھیے اور جہوں میں استعمال کیجیے؛
- 4- ایک مضمون لکھیے جس میں شہری کے حقوق اور فرائض بیان کیے گئے ہوں۔



# دھنگ

آج بادل خوب برسا اور برس کر کھل گیا  
 بٹا بٹا، ڈالی ڈالی، پتا پتا دھل گیا  
 دیکھنا کیا دھل گیا سارے کا سارا آسمان  
 اودا اودا، نیلا نیلا، پیارا پیارا آسمان  
 ہٹ گیا بادل کا پردہ، مل گئی کرنوں کو راہ  
 سلطنت پر اپنی پھر خورشید نے ڈالی نگاہ  
 دھوپ میں ہے گھاس پر پانی کے قطروں کی چمک  
 مات ہے اس وقت موتی اور مہرے کی دمک  
 دے رہی ہے نطف کیا سرسبز پتوں کی قطار  
 اور مہری شاخوں پہ ہے رنگین پھولوں کی بہار  
 کیا پرندے پھر رہے ہیں چھپاتے ہر طرف  
 راگنی برسات کی خوش ہو کے گاتے ہر طرف  
 دیکھنا! وہ کیا اچنبھا ہے، ارے، وہ دیکھنا  
 آسمان پر، ان درختوں سے پرے، وہ دیکھنا  
 یہ کوئی جادو ہے، یا سچ مچ ہے اک رنگیں کماں  
 واہ وا! کیسا بھلا لگتا ہے یہ پیارا آسمان  
 کس مصوّر نے بھرے ہیں رنگ ایسے خوش نما؟  
 اس کا ہر اک رنگ ہے آنکھوں میں جیسے کھب گیا

اک جگہ کیسے اکٹھے کر دیے ہیں سات رنگ!  
 شوخ ہیں ساتوں کے ساتوں اک نہیں ہے مات رنگ  
 ہے یہ قدرت کا نظارا، اور کیا کیسے اسے؟  
 بس یہی جی چاہتا ہے دیکھتے رہیے اسے  
 نتھے نتھے جمع تھے پانی کے کچھ قطرے وہاں  
 ان پر ڈالا عکس سورج نے، بنا دی یہ کماں  
 دیکھو دیکھو اب مٹی جاتی ہے وہ پیاری دھنک  
 دیکھتے ہی دیکھتے گم ہو گئی ساری دھنک  
 لوہو امیں مل گئی، وہ سب کی سب کچھ بھی نہیں  
 آنکھیں مل کر نہ دیکھو، آؤ، اب کچھ بھی نہیں

(حفیظ جالندھری)

## مشق

- 1- شاعر نے بادل کے کھل کر برس جانے کے بعد کا جو سماں پیش کیا ہے، اسے اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
  - 2- دھنک کو رنگین کمان کیوں کہا گیا ہے؟
  - 3- یہ کمان کس طرح بن جاتی ہے؟
  - 4- خالی جگہوں کو پُر کیجیے:
- (ا) بادل کا پردہ ہٹ گیا اور کرنوں کو ..... مل گئی۔
- (ب) پرندے ہر طرف ..... پھر رہے ہیں۔
- (ج) دیکھتے ہی دیکھتے ساری ..... گم ہو گئی۔
- 5- مات ہونا۔ خورشید۔ دمک۔ راگنی۔ اچنبھا۔ آنکھوں میں کھُب جانا۔ عکس کے معنی لکھیے اور انھیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔



# وادی کاغان کی سیر

(حصہ اول)

عالیہ فہمی ایک مصری لڑکی تھی۔ وہ رابعہ کی قلمی سہیلی تھی۔ اگرچہ رابعہ کی خط و کتابت جاپانی، جرمن اور ہسپانوی لڑکیوں سے بھی تھی لیکن اسے سب سے زیادہ خوشی عالیہ فہمی کا خط پا کر ہوتی تھی، اس لیے کہ اس کا نام بہت مانوس اور پاکستانی لڑکیوں جیسا تھا۔ عالیہ فہمی نے رابعہ کو لکھا تھا کہ میرے والد پاکستان آرہے ہیں اور مجھے اپنے ساتھ پاکستان لانے پر راضی ہو گئے ہیں۔ میں نے ان سے وعدہ لے لیا ہے کہ مجھے تمہارے گھر ٹھہرنے کی اجازت دے دیں گے۔

جولائی کے پہلے ہفتہ میں عالیہ فہمی اسلام آباد پہنچ گئی۔ ہوائی اڈے سے رابعہ اس کو اپنے گھر لے آئی۔

اگلے دن رابعہ نے عالیہ کو راولپنڈی اور اسلام آباد کی سیر کرائی۔ عالیہ بہت خوش تھی۔ اس کو راول بند کی روشنیاں بہت پسند آئیں۔ رات کے کھانے پر اتارنے ایک اور خوشخبری سنائی کہ انھوں نے عالیہ کو کاغان کی سیر کرانے کا بندوبست کر لیا ہے۔ رابعہ خوشی سے اُچھل پڑی اور کہنے لگی: ”ابو کیا سچ مچ آپ ہمیں کاغان لے چلیں گے؟ کہیں آپ ہم سے مذاق تو نہیں کر رہے ہیں؟“

رابعہ کی امی بولیں: ”لو اور سنو، مذاق کا ہے کو کرتے؟ سارا انتظام مکمل ہے۔ بس اب تم لوگ تیاری کر لو۔ ہم علی الصبح چل پڑیں گے۔“ اس رات کاغان جانے کی خوشی میں بچوں کو ٹھیک سے نیند بھی نہیں آئی۔ اگلے دن صبح صبح ایبٹ آباد کے لیے روانہ ہو گئے تاکہ وہاں

پہنچ کر سیاحت کے دفتر سے جیپ حاصل کر سکیں اور ساتھ ہی وہاں سے ڈاک بنگلے میں ٹھہرنے کا اجازت نامہ بھی لے لیں۔ یہ تمام انتظام مکمل ہو گئے تو وہ ایبٹ آباد سے جیپ کے ذریعے کاغان روانہ ہو گئے۔

**شوگراں:**

جیپ خوبصورت اور پُر تیج راستوں پر دوڑ رہی تھی۔ بچوں کے چہرے خوشی اور کوہستانی ہوا کے اثر سے دمک رہے تھے۔ خصوصاً عالیہ فہمی اس سفر کے ہر ہر موڑ سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔

جیپ گڑھی حبیب اللہ سے دریائے کنہار کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کی طرف بڑھتی گئی۔ عالیہ نے بالاکوٹ کی خصوصیت کے بارے میں پوچھا تو رابعہ کے ابا کہنے لگے: ”عالیہ بیٹی! بالاکوٹ ہماری جنگ آزادی کی تاریخ میں بہت اہم ہے اس لیے کہ یہاں پر ہماری جنگ آزادی کے ایک دلیر اور بے باک مجاہد سید احمد شہید بھی دفن ہیں۔“ وہ لوگ بالاکوٹ سے چوبیس کلومیٹر دور کوائی کے مقام پر کچھ دیر ٹھہرے اور وہاں سے جیپ نے بڑی سڑک کو چھوڑ کر ایک پہاڑی پر چڑھنا شروع کیا تو اتانے بتایا کہ اب ہمارا اگلا پڑاؤ شوگراں ہو گا۔ شوگراں کا نام سن کر عالیہ نے پھر سوال کیا ”عمو جان! شوگراں کتنی بلندی پر ہے؟“ رابعہ کے ابا کہنے لگے: ”شوگراں دو ہزار تین سو میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔“ اب جیپ شوگراں کی خوبصورت پہاڑی پر دوڑ رہی تھی۔ پورا راستہ چیرٹ کے اونچے اونچے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ان درختوں کی سبزی میں نیلاہٹ جھلک رہی تھی اور ان کی پھننگیں آسمان کو چھوتی نظر آرہی تھیں۔ سفید سفید کمرچیر کی ہری بھری شاخوں پر جمی تھی۔ پہاڑیاں نازک اور خوش رنگ جنگلی پھولوں سے بھری تھیں۔ شوگراں پہنچ کر جیپ ایک جھونپڑی نما خوبصورت ریسٹ ہاؤس کے قریب رُک گئی۔





رابعہ کی امی نے اُترتے ہی کھانے پینے کا انتظام شروع کر دیا لیکن ابا بچوں کے ساتھ باہر ہی  
 ٹہلتے رہے۔ ایک عجیب سی خوشبو ساری فضا میں پھیلی ہوئی تھی۔ عالیہ فہمی نے ایک گہری  
 سی سانس لے کر خوش بو کو محسوس کرنا چاہا تو رابعہ کے ابا نے کہا :  
 ”عالیہ بیٹی یہ سرو کی خوشبو ہے“ آبشاروں کی آواز ایک نغمے کی طرح  
 آرہی تھی۔ رابعہ نے پوچھا : ”ابو! یہ شور کیسا ہے؟“ ابا جان نے کہا ”رابعہ  
 یہ تو آبشاروں کی آواز ہے۔“ دونوں لڑکیاں کان لگا کر بلندی سے گرتے





ہوئے پانی کی آواز سننے لگیں۔ عالیہ چپ چاپ ہر چیز کو غور سے دیکھ رہی تھی۔  
 رابعہ نے پوچھا: ”کیا سوچ رہی ہو عالیہ؟“ عالیہ کہنے لگی: میں سوچ رہی ہوں  
 کہ میں واپس جاؤں گی تو کن لفظوں میں اس منظر کو بیان کر سکوں گی؟  
 رابعہ کے آبا بولے ”دیکھو عالیہ! یہ مشرق میں کئی ہزار میٹر کی بلندی پر پہاڑ ہے  
 اور مغرب میں بالاکوٹ کی وادی ہے اور وہ سامنے ڈاڈر ہے۔ ڈاڈر میں مشہور سینی ٹوریم  
 ہے جہاں تپ دق کے مریضوں کا علاج ہوتا ہے اور یہ چار ہزار دو سو میٹر کی بلندی پر  
 جو تختے کی طرح سیدھی چٹان نظر آ رہی ہے اس کو ”موٹی کا مصلیٰ“ کہا جاتا ہے۔“  
 وہاں سب نے مزیدار کھانا کھایا اور پھر جیپ میں سوار ہو گئے۔ جیپ شوگراں



کو پیچھے چھوڑتی آگے بڑھی۔ راستے میں جا بجا کسان اپنے کھیتوں میں کام کرتے نظر آ رہے تھے۔ ان لوگوں کے قد لمبے اور جسم کھلاڑیوں کے جسموں کی مانند چُمت تھے۔ شوگراں سے آگے قریباً چھ کلومیٹر کا سفر طے کرنے کے بعد جیپ کو ایک جنگل کے پاس دروازہ کھلنے کے انتظار میں رُکنا پڑا۔ جنگل کا دروازہ کھلا تو جیپ آگے بڑھی۔ جیپ ایک چھوٹے سے بازار میں سے گزری تو ڈرائیور نے بتایا کہ یہ پارس کا علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بھیڑیں پالتے اور ان کی اُون سے کپڑا جنتے ہیں۔ گائے کے چرٹے سے جوتے تیار کرتے ہیں۔

## مشق

- 1- (i) عالیہ فہمی کون تھی اور وہ پاکستان کیوں آئی تھی؟  
(ii) شوگراں سطح سمندر سے کتنی بلندی پر واقع ہے؟  
(iii) کاغان کے سفر میں بالاکوٹ کی کیا اہمیت ہے؟
- 2- وادی - تعطیلات - علی البقیع - سیاحت - پُربچ - آبشار - نغمہ - مُصلیٰ - کوہستانی - کے معنی لغت میں دیکھ کر یاد کیجیے۔
- 3- قلمی دوست - خوش خبری - لطف اندوز ہونا - شہید کو جُملوں میں استعمال کیجیے۔
- 4- ناصر - عالیہ - راولپنڈی - اسلام آباد - خاص نام ہیں۔ جو الفاظ کسی خاص شخص، خاص جگہ یا خاص چیز کو ظاہر کریں انہیں اسم معرفہ کہتے ہیں۔ اس سبق میں سے دس اسم معرفہ تلاش کر کے اپنی کاپی میں تحریر کیجیے۔



# وادی کاغان کی سیر

(حصہ دوم)

مہانڈری:

جیپ پارس کے علاقے سے گزر کر آگے بڑھی۔ بچوں کی نگاہیں اُوپٹے اُوپٹے درختوں سے ڈھکے راستوں پر جمی ہوئی تھیں۔ رابعہ نے کہا: ”اُبو! اب تو شام ہو رہی ہے اور اندھیرا بڑھ رہا ہے۔ آگے جانا خطرناک تو نہیں ہو گا؟“ انھوں نے کہا: ”ہاں بیٹی! رات ہم مہانڈری میں بسر کریں گے“ مہانڈری کے لوگ پتلے کے کام کے جوتے بہت نفیس تیار کرتے ہیں۔ اُمی نے عالیہ فہمی کو پتلے کے کام کا ایک جوتا خرید کر دیا۔ ایک طرف سنار کی دکان تھی جس پر چاندی اور دوسری چمکدار دھاتوں کے نہایت نفیس زیور اور بٹن تیار ہو رہے تھے۔ رابعہ نے عالیہ کے لیے خوبصورت بٹن خریدے۔

جیپ مہانڈری سے چلی تو اُبا جان نے منہ کر کہا: ”بچو! اب تیار ہو جاؤ۔ اب ہم وادی کاغان کے خوبصورت ترین راستوں سے گزریں گے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم آنکھیں مل مل کے مجھ سے پوچھو کہ آپ کہیں ہم کو دھوکے سے پرستان تو نہیں لے آئے!“

اب جیپ نارال کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کاغان کے سفر میں نارال کی وہی حیثیت ہے جو ریل کے سفر میں جنکشن کی ہوتی ہے۔ نارال میں گاڑیاں اور جیپیں اپنی ٹینکیاں پٹرول سے بھرواتی ہیں۔ کاروباری سواریاں اور قافلے یہاں سے سامان اُتارتے اور چڑھاتے ہیں۔

رابعہ کی اُمی نے کہا: ”بچو! یہاں تم کو نارال کی خاص مچھلی ٹراؤٹ ملے گی۔ چیرٹ کی لکڑی پر بھنی ہوئی ٹراؤٹ کھاؤ گے تو دوسری مچھلیوں کا مزہ بھول جاؤ گے۔“  
راستوں کا حسن اور نارال کا سکوت اور خاموشی دیکھ کر بچے بڑے سبھی خاموش



تھے۔ یوں لگتا تھا کہ بات کریں گے تو یہ سہانا پسنا ٹوٹ جائے گا۔ یہ رات ریٹ ہاؤس میں گزارنا تھی۔ آتش دان میں صنوبر کی لکڑی جل رہی تھی۔ کمرے صنوبر کی مہک میں بے ہوش تھے۔  
**جھیل سیف الملوک:**

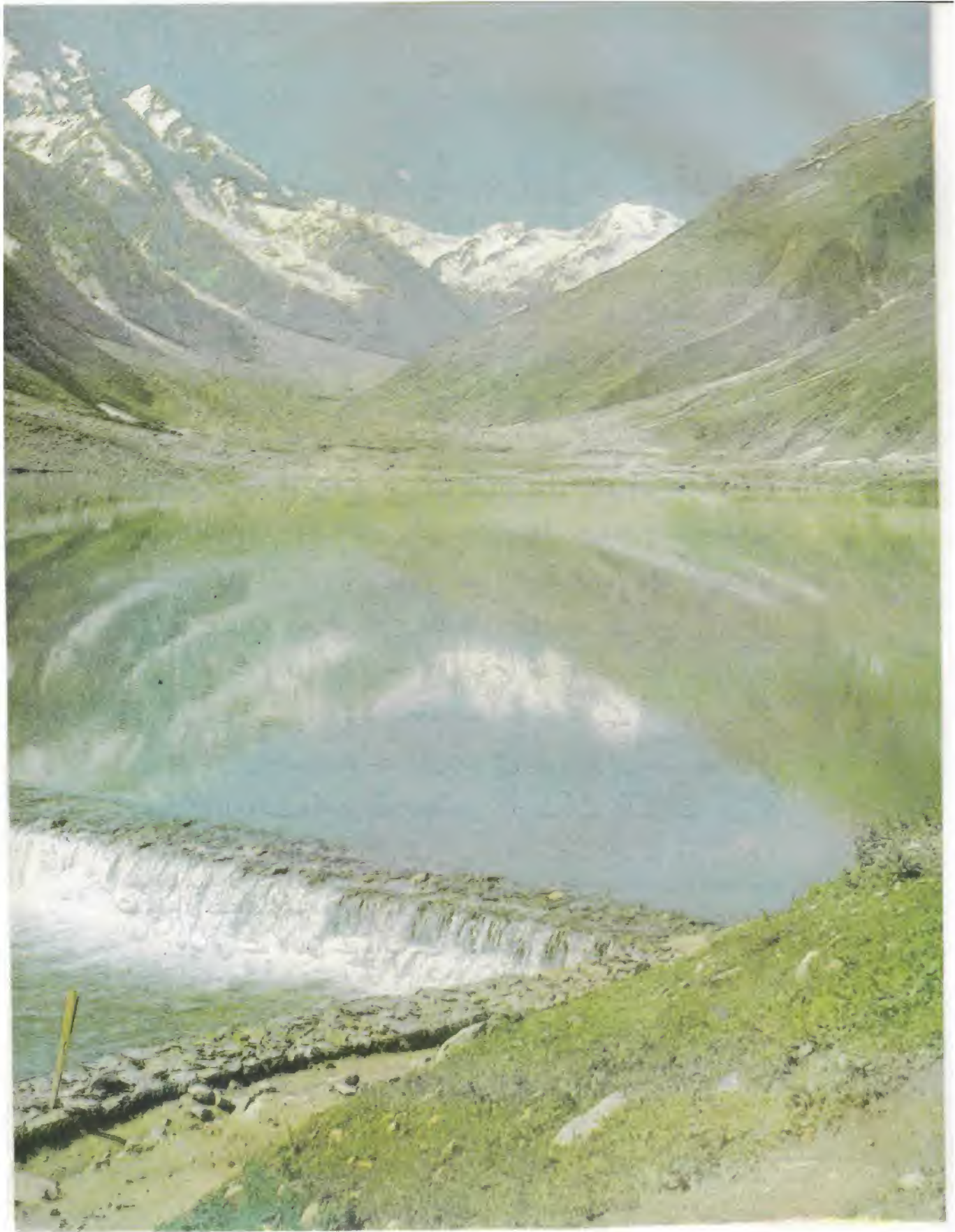
اگلی صبح وہ لوگ مشہور جھیل سیف الملوک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ یہ ناراض سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ رابعہ نے پوچھا: سیف الملوک پر چاندنی راتوں میں پریاں اُترتی ہیں نا؟ آبا نے ہنس کر کہا: ”ہاں رابعہ! اس جھیل کے متعلق ایک کہانی مشہور ہے، لیکن خیر اب تم اپنی آنکھوں سے دن کی روشنی میں وہ پریاں بھی دیکھ لوگی“ جیب ایک جگہ جا کر رک گئی۔ سیف الملوک تک پہنچنے کا راستہ تنگ اور دُشوار گزار ہے۔ سیاحوں اور مقامی لوگوں کو پیدل یا خچروں اور گھوڑوں پر یہ راستہ طے کرنا ہوتا ہے۔ رابعہ کے آبا نے بھی گھوڑے اور خچر لے لیے اور سیف الملوک کی جانب روانہ ہوئے۔

یا اللہ! یہ جھیل ہے کدھر؟ لڑکیاں بے صبری سے پوچھ رہی تھیں اور خوبصورت پھولوں سے لدے ہوئے خطوں کے درمیان پتھریلے علاقوں اور شگافوں کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی تھیں جیسے اُنھیں صحرا میں کسی سراب کی تلاش ہو۔

اچانک ہی عالیہ چلا اُٹھی: ”وہ دیکھو! وہ رہی جھیل“ دونوں لڑکیوں نے سامنے کی طرف دیکھا۔ چاندی کے شفاف تختے کے مانند ایک چادر سی نظر کے سامنے پھیلی ہوئی تھی۔ یہ جھیل تھی جس کے کنارے رنگ برنگے پھولوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔

جھیل کے کنارے جھکے ہوئے پھولوں کا عکس اس کی سطح پر پڑ رہا تھا اور لگتا تھا جیسے کسی نے چاندی کی شفاف چادر میں ہر رنگ کے بے شمار نگینے جڑ دیے ہوں۔ پہاڑوں کی جانب سے خوبصورت اور خوش رنگ پروں والے بے شمار پرندے اڑتے ہوئے ادھر سے ادھر جا رہے تھے۔

رابعہ نے ایک طرف کو اشارہ کیا اور بولی: ”وہ دیکھو پریاں ہی پریاں“ سب



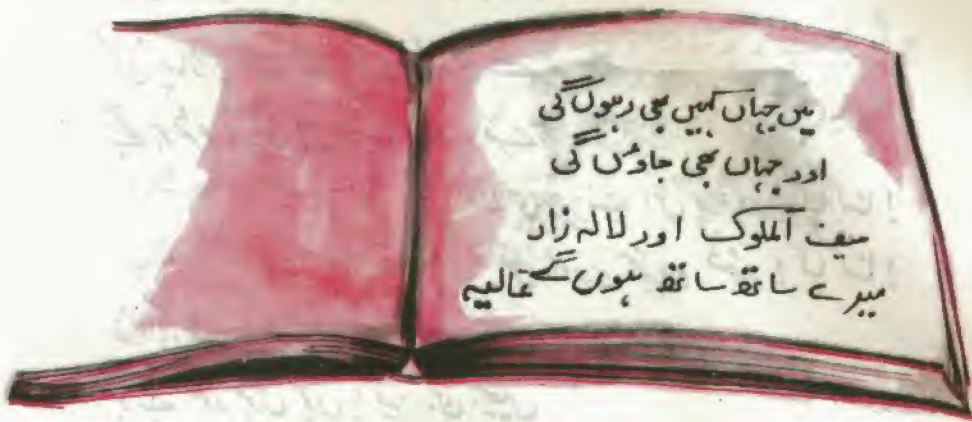


نے چونک کر دیکھا۔ خوبصورت پروں والی رنگ برنگی کوہستانی تیتلیوں کے غول کے غول پھولوں کا رس چوستے پھولوں کے ہجوم کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے پلٹے ہوئے خوبصورت پروں کو دیکھ کر یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان گنت پریاں ناچ رہی ہیں۔ وہ لوگ شام کو وہاں سے نارائیں واپس آئے۔

اگلی صبح لالہ زار کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ نارائیں سے سترہ اٹھارہ کلومیٹر دور ہے۔ لالہ زار کی دھوپ میں اگرچہ جدت تھی لیکن ہوا خشک تھی۔ سارا جنگل شیکوان، صنوبر اور چیت کے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ جوں جوں بلندی کی طرف جا رہے تھے، یوں لگتا تھا درختوں کے سائے آسمان پر پڑ رہے ہوں۔ عالیہ ایک دم چلا اٹھی: ”اُف میرے اللہ! یہ تو واقعی ہم پرستان میں پہنچ گئے“ رابعہ نے چونک کر دیکھا۔ کانشی، جامنی اور ارغوانی پھولوں پر سفید سفید دھوئیں کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ڈھیروں کی شکل میں پڑے صنوبر کے پھولوں کی خوشبو سے جنگل بسا ہوا تھا۔ لالہ زار سے کاغان کی طرف جانے کے لیے نارائیں کو واپس جانا پڑتا تھا۔ یہاں دریائے کنہار کے کنارے اُون کاتنے کی بل ہے۔ یہ بل ایک چھوٹے سے گاؤں جرید میں ہے۔ جرید میں سب سے دلکش چیز سُرخی پھولوں والے درخت تھے جو پہاڑوں پر بکثرت اُگے ہوئے تھے۔ اُن کو دور سے دیکھ کر گمان ہوتا تھا کہ جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے۔ رابعہ نے سوچا یہ خُسن کب تک باقی رہے گا۔ لوگ تو جنگل کاٹتے جا رہے ہیں۔

عالیہ فہمی نے کاغان کے ڈاک بنگلے میں رکھے ہوئے سیاحوں کے رجسٹر میں یہ الفاظ لکھے تھے۔

”میں جہاں کہیں بھی رہوں گی اور جہاں بھی جاؤں گی، سیف الملوک اور لالہ زار میرے ساتھ ساتھ ہوں گے“



## مشق

- 1- جیل سیف الملوک کا منظر اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔
- 2- عالیہ فہمی نے کاغان سے واپسی پر اپنے تاثرات کن الفاظ میں تحریر کیے؟
- 3- کوہ پیما - دُشوار گزار - گھاٹی - ٹوڈ رو - دم بخود - مناظر - شقاوت - ہجوم - عکس کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب وار لکھیے اور ان کے معنی لغت میں سے دیکھ کر تحریر کیجیے۔
- 4- طے کرنا - پتھر پے - رنگ برنگ - امکان - ملاقاتی - ارغوانی کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔
- 5- بندی - خوبصورتی - روشنی - صبح - دور - کے متضاد الفاظ تحریر کیجیے۔



# ایک پہاڑ اور گلہری

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے  
 تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے  
 ذرا سی چیز ہے اس پر غرور! کیا کہنا!  
 یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!  
 خدا کی شان ہے ناچیز، چیز بن بیٹھیں!  
 جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں  
 تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟  
 زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے  
 جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں  
 بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!  
 کہا یہ سن کے گلہری نے منہ سنبھال ذرا!  
 یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!  
 جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا!  
 نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا  
 ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے  
 کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اُس کی حکمت ہے  
 بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اُس نے  
 مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اُس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں  
 نرمی بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں؟  
 جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو  
 یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمتی کوئی زمانے میں  
 کوئی بُرا نہیں قدرت کے کارخانے میں

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

## مشق

- 1- پہاڑ نے گلہری سے کیا کہا؟
- 2- گلہری نے اُسے کیا جواب دیا؟
- 3- اس نظم سے ہمیں کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟
- 4- شرم سے ڈوب مرنا - غرور - بے شعور - تاجیز - بساط - پست - آن بان - منہ سنبھالو -  
 بچی باتیں - حکمت - چھالیا - نکمتی کے معنی لغت میں سے تلاش کیجیے اور اپنی کاپی میں  
 خوش خط لکھیے، نیز ان سب کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔



## غزوہ بدر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے بعد مدینہ کی بستی عرب کا ایک اہم مقام بن گئی تھی۔ مسلمانوں کو مکے کے کافروں کے ظلم و ستم سے نجات مل گئی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ مدینہ میں اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ کفار مکہ کو یہ بات بڑی ناگوار گزری تھی کہ نبی اکرم ان کے ظلم سے بچ کر نکل گئے۔ کفار کو اسلام کی ترقی سے بھی پڑھتی۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو مدینہ میں بھی جین سے بیٹھنے نہ دیا جائے تاکہ مدینہ اسلام کا مرکز نہ بن سکے۔

کفار مکہ کا سردار ابو جہل مسلمانوں کا جانی دشمن تھا۔ اُس نے مکے کے لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ پر اکسایا، نوجوانوں کو غیرت دلائی، تجارتی قافلوں کے لٹ جانے کا خوف دلایا اور اس طرح اس نے سب کو مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کر لیا۔ مکے کے کفار جنگ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ہر قبیلے نے اپنا اپنا جنگی دستہ تیار کر لیا۔ کفار نے بہت ساز و مال اکٹھا کیا۔ تمام بڑے بڑے سردار جنگ پر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ابولہب، جو مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا تھا، اُن دنوں بیمار تھا۔ اس نے ایک اور شخص کو اپنی جگہ جنگ پر آمادہ کیا اور اس کے بدلے میں اس کا قرضہ معاف کر دیا۔

کافروں کی یہ تیاریاں نہایت خاموشی سے جاری تھیں۔ ایک دن کفار کی فوج مدینہ کو روانہ ہوئی۔ اس میں ایک ہزار کے قریب تجربہ کار جنگ جو شامل تھے۔ ایک سو گھوڑے اور بے شمار اونٹ جنگی ہتھیاروں اور کھانے پینے کے سامان سے لدے ہوئے تھے۔ فوج کا ایک ایک سپاہی کیل کانٹے سے لیس تھا۔ راستے

میں جہاں بھی پڑا ہوتا نو دس دس اونٹ ذبح کر کے سپاہیوں کی دعوت کی جاتی۔  
 ادھر مدینے میں حالت ہی اور تھی۔ مہاجر مسلمان ابھی پوری طرح آباد نہ ہو سکے  
 تھے۔ سب لوگ تنگی سے گزر کرتے تھے۔ دشمنوں کا خطرہ ہر وقت لگا رہتا تھا۔  
 نبی اکرمؐ نے احتیاطی تدابیر کر رکھی تھیں۔ آپؐ خود جاگ جاگ کر مدینے کی بستی کا پہرا  
 دیا کرتے تھے اور صحابہؓ کے مختلف گروہوں کو ادھر ادھر بھیجتے رہتے تھے تاکہ تمام  
 حالات سے باخبر رہیں۔

حضرت کو کفار کی طرف سے اندیشہ پہلے ہی تھا۔ جب آپؐ کو خبر ملی کہ ابو جہل  
 اپنا لاؤ لشکر لے کر مدینہ کی طرف چل نکلا ہے تو آپؐ نے مسلمانوں کو جمع کر کے جنگ  
 کے بارے میں ان سے مشورہ لیا۔ پہلے آپؐ نے مہاجرین سے رائے لی، اس لیے کہ  
 اس جنگ میں ان کا مقابلہ اپنے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں سے ہونے والا تھا۔  
 مہاجر مسلمانوں نے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ہم ہر حال میں آپؐ کا ساتھ دیں گے۔ خدا کی قسم! ہم بنی اسرائیل  
 کی طرح یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ اے موسیٰ! تمہارا خدا اور تم دشمنوں سے لڑو! ہم تو  
 یہاں بیٹھے ہیں۔“

پھر آپؐ نے انصار سے مشورہ طلب کیا تو حضرت سعد بن معاذ نے انصار  
 کی ترجمانی کرتے ہوئے عرض کیا:

”یا رسول اللہ! ہم آپؐ پر ایمان لا چکے ہیں۔ ہم نے آپؐ کی تصدیق کی ہے اور  
 اس بات کی گواہی دی ہے کہ آپؐ جو تعلیم لائے ہیں، وہ سچی ہے۔ ہم آپؐ کی اطاعت  
 اور فرماں برداری کا وعدہ کر چکے ہیں۔ آپؐ جس طرف ارادہ فرمائیں تشریف لے چلیں،  
 ہم آپؐ کے ساتھ ہیں۔ اس خدا کی قسم جس نے آپؐ کو سچائی دے کر مبعوث کیا ہے،  
 اگر آپؐ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہیں ہٹے“



گا۔ ہم جنگ میں ثابت قدم اور مقابلے میں سچے ہیں۔ اُمید ہے کہ خدا آپ کو ہماری طرف سے ایسے کارنامے دکھلائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی۔  
 حضور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مسلمانوں کے اس جذبے کی تحسین فرمائی اور یہ طے پایا کہ مدینے سے باہر نکل کر دشمنوں کا مقابلہ کیا جائے۔

رمضان کا مہینہ تھا۔ یہ خدائی لشکر باطل کے طوفان کو روکنے کے لیے شہر سے باہر نکلا۔ خدا کے آخری رسولؐ اس لشکر کے سالار تھے، جس میں کل تین سو تیرہ آدمی شامل تھے۔ بے سرو سامانی کا یہ عالم تھا کہ پورے لشکر میں کل دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے۔ ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے حتیٰ کہ نبی اکرمؐ بھی اپنی باری سے اونٹ پر سوار ہوتے تھے اور دوسرے ساتھیوں کی باری کے وقت آپ بھی پیدل چلتے۔ یہ اسلام کا وہ لشکر تھا جو حق و باطل کا پہلا معرکہ جیتنے جا رہا تھا، جس کے پاس نہ کھانے پینے کا پورا سامان تھا، نہ لڑنے کے لیے پورے ہتھیار تھے۔ لیکن اسلام کے ان مجاہدوں کے پاس سب سے بڑی طاقت ایمان کی طاقت تھی اور وہ زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر صرف خدا کی رضا کے طالب تھے اور اللہ کی راہ میں جان دینے کو زندگی کا سب سے بڑا مقصد سمجھتے تھے۔

اسلامی لشکر مدینے سے باہر نکلا تو حضورؐ نے مجاہدوں پر ایک نظر ڈالی۔ دیکھا تو ایک کم سن لڑکا بھی لشکر کے ساتھ تھا، اس کی عمر بمشکل سولہ سال تھی۔ حضورؐ نے اس کی کم عمری کی وجہ سے اس کو واپس جانے کا حکم دیا۔ لڑکے کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلے۔ آپؐ نے اس کے خلوص اور شوق کو دیکھ کر جہاد کی اجازت دے دی۔ اس بہادر لڑکے نے جنگ میں جوانوں کی سی جرات دکھائی اور اسلام کے پہلے شہیدوں میں شامل ہو کر شہر رخ روئی حاصل کی۔ اس کم سن شہید کا نام عمر بن وقاص تھا۔

بدر کے میدان میں اسلام اور کفر کے لشکروں نے ڈیرے جمائے۔ جنگ میں

ابھی ایک رات باقی تھی۔ دونوں لشکروں کا نقشہ کتنا مختلف تھا! ایک طرف مکہ کے بڑے بڑے سردار تھے جن کے سروں میں طاقت کا غور بھرا ہوا تھا۔ دوسری طرف خدا کے وہ سپاہی تھے جن کا تمام تر بھروسہ اللہ کی ذات پر تھا۔ ایمان اور اسلام ہی ان کی سب سے بڑی طاقت تھی۔ ایک طرف ساز و سامان کی کثرت تھی، راگ رنگ کی محفلیں برپا تھیں، اپنے اپنے قبیلے کی برتری اور بہادری کے قصیدے اور ربز پڑھے جا رہے تھے۔ دوسری طرف نہ ساز و سامان تھا، نہ شان و شوکت، خدا کے حضور دعا و التجا کے سلسلے جاری تھے اور یہ سالار اعظم خدا کے حضور سر بسجود اسلامی فوج کی کامیابی کی دعائیں مانگ رہے تھے۔ اگلی صبح جنگ شروع ہونے کو تھی۔ حضور اپنے خیمے سے باہر تشریف لائے۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے صحابہ کی صفیں درست فرمائیں اور جنگ کے لیے انہیں ضروری ہدایات دیں۔ آپ نے خاص طور پر ہدایت فرمائی کہ جنگ میں پہل نہ کرنا۔ اس کے بعد آپ نے خدا سے دعا کی اور بلند چوڑے پر تشریف لے گئے جہاں آپ کے لیے ایک خیمہ لگا دیا گیا تھا۔ دوسری طرف کفار کی فوج مسلح ہو کر مقابل میں کھڑی تھی۔ اُس طرف سے تین نامور پہلوان، جو سر سے پاؤں تک آہنی لباس میں غرق تھے، ربز پڑھتے ہوئے میدان میں نکلے۔ ادھر حضور کے حکم کے مطابق حضرت علیؓ اور ان کے دو ساتھی مقابلے کے لیے تشریف لائے۔ مقابلہ بڑا سخت تھا لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ تینوں بڑے پہلوان خاک و خون میں لت پت پڑے تھے۔

کفار نے گھبرا کر عام جنگ شروع کر دی۔ دست بدست جنگ میں مسلمان مجاہدوں نے دشمنوں کی صفیں اکٹ کر رکھ دیں اور کافروں کے سر کٹ کٹ کر زمین پر گرنے لگے۔ اسلامی لشکر کے دو نوجوان مجاہد معوذ اور معاذ تہیہ کر کے آئے تھے کہ وہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن کا خاتمہ کریں گے۔ جنگ کے ہنگامے کے دوران ہی میں انھوں نے ابوجہل کا پتا چلایا۔ دونوں بہادر عقابوں کی طرح ابوجہل پر چھپے اور پے درپے حملے کر کے اس کا پر غور سر



خاک میں ملا دیا۔

ان کی جرأت کا یہ عالم تھا کہ ابوجہل کے بیٹے نے ایک مجاہد کا بازو تلوار سے کاٹ دیا لیکن ایک تسمہ لگا رہ گیا۔ چونکہ یہ لٹکتا ہوا بازو جنگ میں رکاوٹ پیدا کرتا تھا اس لیے اس بہادر نے خود ہی اُسے الگ کر کے پھینک دیا اور ایک ہی ہاتھ سے لڑائی جاری رکھی۔ حق و باطل کا یہ معرکہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ کفار کو بُری طرح شکست ہوئی۔ اُن کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ ستر سے زیادہ آدمی قید ہوئے اور باقیوں نے بھاگ کر جان بچائی۔ اسلامی لشکر کے صرف چودہ مجاہدوں نے شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ اسلام کی اس پہلی جنگ نے یہ ثابت کر دیا کہ اسلام کو اپنے غلبے کے لیے ہمتیاروں کی نہیں، جذبے اور خلوص کی ضرورت ہے۔

## مشق

- 1- ان سوالوں کے جواب دیجیے:
  - (i) کافروں کی جنگی تیاری کیسی تھی؟
  - (ii) کافروں کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس کس قدر ساز و سامان موجود تھا؟
  - (iii) مہاجرین اور انصار نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کس طرح کیا؟
  - (iv) معوذہ اور معاذ نے ابوجہل کو کس طرح قتل کیا؟
  - (v) ایمان کی طاقت سے کیا مراد ہے؟
- 2- غزوہ - آمادہ کرنا - مبعوث کرنا - باطل - مجاہد - کم سن - سُرخ رو ہونا - رجز پڑھنا - سُرُجود ہونا - صفیں الٹنا - تحسین فرمانا اور خاک میں ملانا کے معنی لکھیے اور انہیں اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔
- 3- اس سبق میں سے دس اسم معرفہ تلاش کر کے لکھیے۔
- 4- مہاجرین - کفار - حالات - ہدایات - تدابیر - مجاہدین کے واحد تحریر کیجیے۔

## مچھر گئے بیماری گئی

شہر میں خسرے کی وبا کی خبر عام تھی۔ مائیں ہر وقت دعائیں کرتی تھیں: یا اللہ ہمارے بچوں کو اس مُؤذی مرض سے محفوظ رکھنا، سرکاری محکمہ صحت والے گھر گھر جا کر ٹیکے لگا رہے تھے۔ اس دن مسعود کے محلے کی باری تھی۔ مسعود کے بہن بھائیوں کو ٹیکے لگانے کے بعد ٹیکے والے دوسروں کے گھروں پر بھی گئے۔ ہر گھر سے ماں یا باپ اپنے بچوں کو لے کر باہر آتے اور اُن کو ٹیکے لگوا لیتے۔ دیکھتے دیکھتے کتنے بچوں کو ٹیکے لگ گئے۔ محلے میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جنہوں نے اپنے بچوں کو چھپا دیا تھا۔

نچو کی اماں تو ٹیکے والوں کی آمد کا سُن کر تھر تھر کانپنے لگیں اور نچو سے کہنے لگیں: ”تُو خالہ کے گھر بھاگ جا“ اور رشیدہ سے کہا: ”تُو چادر اوڑھ کر لیٹ جا۔ میں کہ دوں گی، اس کو بخار ہے۔ بخار میں ٹیکے نہیں لگ سکتے۔“ سب سے زیادہ غصَب تو حنیفہ نے ڈھایا۔ اس نے اپنی تینوں لڑکیوں کو اندر بند کر کے گھر کی کُٹھی لگا دی۔ تیسرے دن سُننے میں آیا کہ حنیفہ کی تینوں بچیوں کو خسرے کے دانے نکل آئے ہیں۔ ادھر نچو کی ماں بھی سر پکڑے رو رہی تھی کہ بیماری کو ہمارے ہی بچے رہ گئے!

شہر بھر میں جو بیماری پھیلتی، ان دونوں کے بچوں کو ضرور پکڑتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے گھر جس احاطے میں تھے وہاں وہ خود اور محلے کے دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے گھروں کا کوڑا کرکٹ اور گلی سڑی چیزیں ایک بڑے سے ڈھیر پر ڈال دیا کرتے تھے۔ احاطے میں تل لگا ہوا تھا جس سے محلے کے لوگ پانی بھرتے تھے۔ یہ تل آس پاس کے گھروں کے لیے بھی ایک مصیبت بن گیا تھا۔ عورتیں دن بھر



نل کے نیچے کپڑے دھوئیں اور برتن صاف کرتی رہیں۔ بالٹیاں نل کے نیچے لگا کر بھول جاتیں۔ پانی کچے احاطے میں بہتا رہتا۔ اس سے وہاں کیچڑ ہی کیچڑ رہتی۔ حنیفہ کی بچیاں وہاں کھیتیں اور کیچڑ میں لت پت ہو جاتیں۔

تمام دن کپڑوں کا میل اور صابن، برتنوں کی جھوٹن اور راکھ کا پانی اس میں جمع ہوتا رہتا۔ چند ہی روز میں یہ نالی گندے اور سیاہ پانی کا ایک جوہڑ سا بن گئی جس میں بے شمار مچھر پیدا ہو گئے۔ سارے محلے کی نیند حرام ہو گئی۔ گرمی آتی تو اس پر مکھیاں بھی بھنبھنانے لگتیں۔ مسعود کا گھر بھی اسی احاطے کے سرے پر تھا۔ اس گندگی سے وہ لوگ سب سے زیادہ تنگ تھے لیکن بول نہیں سکتے تھے۔ ذرا کچھ کہا تو حنیفہ اور بچوں کی اماں ان کے پیچھے پڑ گئیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ ہر سال محلے میں ملیریا اور انفلوزنزا کی وبا پھیل جاتی۔

مسعود کے ماموں جان نے اسی سال ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا تھا۔ چند دن کی چھٹیاں گزارنے یہاں آئے تو دیکھا، گھر کا گھر ملیریا میں مبتلا ہے۔ وہ تو یہ حال دیکھ کر گھبرا گئے۔ مسعود کی امی نے کہا: ”بھئی ہمارے تو پورے محلے کا یہی حال ہے۔ ہر ربات میں یہی مصیبت آتی ہے۔“ امی ابھی یہ بات کر ہی رہی تھیں کہ حنیفہ روتی ہوئی آئی اور کہنے لگی: ”میری بڑی بچی کو بڑا تیز بخار ہے۔ ابھی چند ہی دن ہوئے کہ خسرے سے نجات پائی تھی، اب اس ملیریا بخار نے اسے وبا لیا۔“ امی نے ماموں جان سے کہا کہ اس کی بچی کو دیکھ کر دوا لکھ دو۔

ماموں جان اٹھ کر اس کے ساتھ چلے تو مسعود بھی ساتھ ہو لیا۔ حنیفہ کی بچی جامن کے سائے میں ایک چارپائی پر بے سدھ پڑی تھی۔ ساتھ ہی گندے پانی کی نالی تھی۔ مچھر اور مکھیاں اڑ اڑ کر بچی کی ناک میں گھس رہی تھیں۔ حنیفہ نے پھر رونا شروع کر دیا اور کہنے لگی: ”ڈاکٹر صاحب میری بچیوں کو تو بارہ مہینے کوئی نہ کوئی بیماری پکڑے رہتی ہے۔“

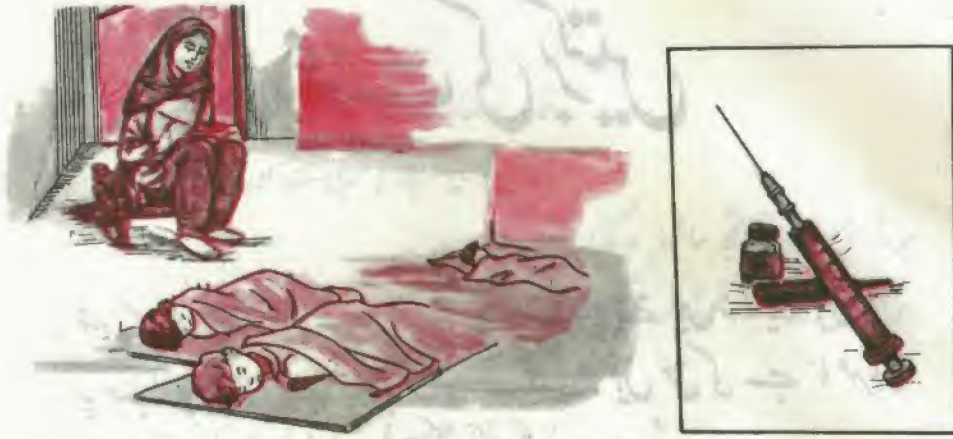
چار دن کھلتی ہیں تو چار دن پلنگ پر پڑی رہتی ہیں۔ میری تو قسمت ہی خراب ہے۔“  
 ماموں جان کہنے لگے: ”حنیفہ! بیماری کا گھر تو تم نے خود ہی بنا رکھا ہے۔ ذرا دیکھو تو  
 اتنا غلیظ پانی اور اس میں مکھٹیوں اور پھروں کی کثرت! یہ تو میریا، ہیضہ اور الفلوئزا کا  
 گھر بنا ہوا ہے۔ جب تک اس نالی کو پاٹ کر پکی نالی نہیں بنے گی اور پانی کا نکاس  
 نہیں ہوگا، میریا اور الفلوئزا تو خیر، یہاں ہیضہ پھیلنے کا خطرہ رہے گا۔“

ڈاکٹر کا نام سن کر نجو کی اماں بھی آگئی تھیں۔ دونوں عورتیں کہنے لگیں: ”ڈاکٹر صاحب!  
 ہم غریب لوگ بھلا پکی نالی کیسے بنوائیں اور پھر گندے پانی کا نکاس ہو بھی تو کیسے؟ کون گوارا  
 کرے گا کہ اس کے گھر کے آگے سے گندا پانی بہے۔ بس ہمارے تو نصیب ہی خراب  
 ہیں۔“ ڈاکٹر نے کہا: ”بھئی تمہارے نصیب کی خرابی تو یہ لڑکے دور کر سکتے ہیں۔“ ان کا اشارہ  
 مسعود اور اس کے دوست حامد کی طرف تھا جو کالے کالے پانی میں پھدکتے مینڈکوں  
 کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ دونوں لڑکے حیرت سے بولے: ”ان کے نصیب کی خرابی  
 ہم کیسے دور کر سکتے ہیں؟“ مسعود کے ماموں جان نے کہا: ”تم دونوں اندر چلو تو میں  
 بتاؤں کہ کس طرح یہ کام ہو سکتا ہے۔“

بچوں کے لیے نسخے لکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب لڑکوں کو لے کر اندر آگئے اور  
 مسعود سے کہنے لگے: ”دیکھو مسعود! یہ کام بڑا آسان ہے، بشرطیکہ تم اور تمہارے دوست کام  
 کرنے والی ایک جماعت بنالیں اور محلے کے تمام لوگوں سے چندہ جمع کر کے پکی نالی  
 بنانے کا سامان مہیا کر لیں۔“ مسعود نے پوچھا: ”مگر ماموں جان! وہ گندہ پانی جائے گا کدھر؟  
 نالی سے پانی کا بہنا تو ضروری ہے۔“ مسعود کے سوال پر ماموں بھی سوچ میں پڑ گئے۔ پھر  
 یکایک ان کی سمجھ میں بات آگئی اور خوش ہو کر بولے: ”نالی کے پیچھے جو خالتو زمین  
 میدان کی صورت میں پڑی ہے، اگر تم لڑکے ہمت کر کے اس کو نرم کر ڈالو اور اس میں  
 سبز یوں کے بیج ڈال دو تو یہ پانی سبز یوں کے اس کھیت کے کام آئے گا اور محلے والوں



کے لیے سبزی کا مشترکہ کھیت بھی تیار ہو جائے گا۔  
 دیکھتے ہی دیکھتے پانچ بڑے لڑکوں کی ایک مضبوط جماعت تیار ہو گئی جو بچاؤروں اور کدالوں سے  
 لیس تھی۔ ان کی مدد کو محلے کے کئی چھوٹے لڑکے بھی آگئے۔ سب سے پہلے تو لڑکوں نے  
 گندی نالی کو مٹی ڈال کر پاٹ دیا۔ درختوں سے جھڑے ہوئے سوکھے پتے کوڑے کے  
 ڈھیر پر جمع کر کے ان میں آگ لگا دی اور اس طرح وہ غلاظت کا ڈھیر جل کر بھسم ہو گیا۔  
 محلے کے لوگوں نے بچوں کی مستعدی دیکھ کر نل کے نیچے کھڑا بنانے اور نالی کٹی کرنے  
 کے لیے ریت سیمنٹ فراہم کر دیا اور اس احاطے میں پکھری ہوئی ساری فالتو اینٹیں بھی  
 کام آگئیں۔ اس کام میں پورا ہفتہ لگ گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پہلی مرتبہ محلے کے لوگ چین  
 کی نیند سوئے، اس لیے کہ مکھیاں اور مچھڑاں کسی دوسرے گندے جوہڑ کی تلاش میں چل  
 دیے تھے۔ ایک سال بعد ڈاکٹر صاحب دوبارہ آئے تو احاطے کی شکل ہی بدل چکی تھی۔  
 اب یہاں بو دار گندے پانی کا کوئی جوہڑ نظر نہ آتا تھا۔ اس کے بدلے نل کے پیچھے سبز لیل  
 کا ایک کھیت لہلہا رہا تھا۔ مسعود سکول سے آیا تو ماموں جان نے کہا: ”مسعود تم نے  
 اور تمہارے دوستوں نے تو کمال ہی کر دیا۔ یہ جگہ تو پہچانی ہی نہیں جاتی۔“  
 مسعود نے کہا: ”ماموں جان یہ سب آپ ہی کے مشورے کا نتیجہ ہے اور سب سے  
 بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم سب دوست چھٹیوں میں بے کار پھر پھر کر اکتا جاتے تھے۔  
 اس مرتبہ تو پتا ہی نہ چلا کہ چھٹیاں کب آئیں اور کب گئیں“ مسعود کی چھوٹی بہن محمودہ  
 بھی اپنی توتلی زبان میں کہنے لگی ”اور ماموں جان اب امی ہم کو ملیر یا بخار سے بچنے  
 کے لیے کڑوی کڑوی کونین بھی نہیں کھلاتیں“  
 ماموں جان نے محمودہ کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے کہا: ”محمودہ بات یہ  
 ہے کہ جب مچھڑ گئے تو وہ اپنے ساتھ بیماری بھی لے گئے“



## مشق

- 1- (i) بچوں کی ماں اور حنیفہ نے اپنی بچیوں کو کیوں چھپا دیا تھا؟  
(ii) حنیفہ کی بچیوں کو بیماریاں کیوں لپٹی رہتی تھیں؟  
(iii) مسعود اور اس کے ساتھیوں نے گندے پانی کو نکالنے کا کیا انتظام کیا؟  
(iv) مچھروں کے چلے جانے سے محلے والوں کی صحت پر کیا اثر پڑا؟
- 2- مندرجہ ذیل الفاظ کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر ان کے معنی تحریر کیجیے:  
وبا - موزی - انسداد - غلیظ - مشترکہ - متعدی - بے سندھ۔
- 3- وبا - تھرتھرا کا پنا - غضب ڈھانا - احاطہ کرنا - کثرت - بشرطیکہ - فراہم کرنا - مسلسل - لیس ہونا۔  
چین کی میند سونا کو جھلوں میں استعمال کیجیے۔
- 4- مندرجہ ذیل الفاظ کے متضاد لکھیے:  
بیماری - شہر - گندہ - غریب - آسان۔
- 5- اس سبق کے پہلے تین ہیروں میں سے اسم، فعل اور حرف الگ کیجیے۔



## محنت کی برکتیں

نہیں کرتے کھیتی میں جو جاں فشانی نہ ہل جوتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی  
 یہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی

نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ

سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ”زہر ہے مال و دولت اٹھاتے ہیں جس کے لیے رنج و محنت

اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت اسی سے دماغوں میں آتی ہے نحت

یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل

ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پر نازل

کبھی کہتے ہیں ”سعی و کوشش سے حاصل؟ کہ مقصوم بن کوششیں سب ہیں باطل

نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر نازل برابر ہیں یاں معنتی اور کاہل

ہلانے سے روزی کی گر ڈور ہلتی

تو روٹی نکتوں کو ہرگز نہ ہلتی

نکتوں کے ہیں سب یہ دل کش ترانے سنانے کو قسمت کے رنگیں فسانے

اسی طرح کے کر کے جیلے بہانے نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی

کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے      شرف جس سے نوبہ بشر کو ملا ہے  
 سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے      سب اس باغ میں جن سے نشو و نما ہے  
 ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر  
 بنے ہیں زمانے کی خدمت کی خاطر  
 نہ راحت طلب ہیں نہ مہلت طلب وہ      لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ  
 نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ      بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ  
 وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا  
 کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

(الطاف حسین حالی)

## مشق

- 1- اس نظم میں دو طرح کے انسانوں کا حال بیان کیا گیا ہے، ان کی خصوصیات علیحدہ علیحدہ تحریر کیجیے۔
- 2- مندرجہ ذیل کے معنی بتائیے؛  
 یاس - نوحہ - مقسوم - باطل - سعی و کوشش - نوبہ بشر - ضیا - روز و شب - زائل۔
- 3- مندرجہ ذیل کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے؛  
 پانی دینا - ہل جوتنا - دل کش - خدمت - دم لینا - روز و شب - چین پانا - خدمت - بے سبب۔
- 4- مندرجہ ذیل کے ہم قافیہ تین تین الفاظ تحریر کیجیے؛  
 باطل - محنت - تدبیر - ترانے۔



## پاکستان کی کہانی

یہ بات بھلا کسے معلوم نہیں کہ پاکستان چودہ اگست ۱۹۴۷ء کو وجود میں آیا۔ اس سے قبل یہ ملک دنیا کے نقشے پر تو اس طرح موجود نہ تھا لیکن گھر گھر میں اس کا چرچا اور شہر شہر میں اس کا شہرہ تھا۔ پاکستان ایک جذبہ تھا، جو ہر دل میں موجزن تھا۔ ایک پیکار تھی جو ہر زبان پر جاری تھی۔ ایک دھڑکن تھی، جو ہر سینے سے سنائی دیتی تھی۔ کوئی ایسی تقریر نہ تھی جو اس کے ذکر سے خالی ہو۔ ”اے کے رہیں گے پاکستان۔ بن کے رہے گا پاکستان“ پوری فضا کئی سال تک انہی نعروں سے گونجتی رہی اور آخر اللہ کے فضل سے پاکستان بن گیا۔ لیکن یہ نہ سمجھیے کہ پاکستان صرف نعروں کے زور پر وجود میں آگیا۔ ہمیں درحقیقت پاکستان کے قیام کے لیے بڑی طویل جدوجہد کرنا پڑی۔ انگریز اس کا دشمن تھا، ہندو اس کا بیری۔ ان دونوں کا ہم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور چوں کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے ساتھ تھی اس لیے ہمیں کامیابی نصیب ہوئی اور پاکستان بن گیا۔

پاکستان بننے سے قبل برصغیر پر انگریز کی حکومت تھی اور یہاں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور سکھ بھی بستے تھے۔ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ ہندو اپنی تعداد کے بل بوتے پر یہاں حکومت کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ لیکن مسلمان بھی اس صورتِ حال سے غافل نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندو ہمیشہ سے اسلام کا دشمن رہا ہے۔ اگر انھیں یہاں حکومت کا موقع مل گیا تو مسلمان آزادی کے ساتھ دین اسلام کے مطابق زندگی بسر نہ کر سکیں گے۔ مسلمان انگریزوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہندو کی غلامی میں جکڑے جائیں گے اور ملک کی آزادی کی

جدوجہد سے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔ چنانچہ مسلمانوں نے سوچا کہ ہمیں آزادی کے مطالبے کے ساتھ ساتھ اپنے حقوق کی حفاظت بھی کرنا چاہیے۔

دسمبر ۱۹۳۰ء میں الہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا۔ یہ جلسہ اپنے سابقہ جلسوں سے زیادہ اہمیت رکھتا تھا۔ اس لیے کہ اس جلسے میں علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ایک ایسی تجویز پیش کی جسے آگے چل کر پاکستان کا تصور کہا گیا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبے میں کہا کہ اس ملک کے بعض صوبے اور علاقے ایسے ہیں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہندوؤں سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ حق ہونا چاہیے کہ وہ ان علاقوں میں ایک آزاد اسلامی ریاست قائم کریں جہاں مسلمان اپنی زندگی اسلامی تمدن کے مطابق بسر کر سکیں۔

اُسی سال لندن میں ایک کانفرنس ہوئی۔ یہ کانفرنس انگریز حکومت نے اس لیے بلائی تھی کہ اس میں ہندوؤں اور مسلمانوں کی آزادی کے مطالبے پر غور کیا جائے۔ ہندو رہنماؤں نے انگریزوں کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ہمارے ملک میں صرف ایک قوم آباد ہے اور اسی کو حکومت کا حق حاصل ہے، لیکن مسلمان رہنماؤں نے انگریزوں کو صاف الفاظ میں بتا دیا کہ اس ملک میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں آباد ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان۔ مسلمانوں کی تہذیب، اُن کا تمدن، اُن کا مذہب ہندوؤں سے بالکل جدا ہے۔ لہذا اُن کا آئین بھی الگ ہونا چاہیے اور ہم ایسے کسی دستور کو نہیں مانیں گے جس میں مسلمانوں کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم نہ کیا گیا ہو۔

اسی زمانے میں ہمارے ملک کا ایک ذہین مسلمان نوجوان چودھری رحمت علی یہاں سے تعلیم حاصل کرنے انگلستان گیا۔ اس نے انگلستان میں مسلمان طلبہ کی ایک انجمن بنائی جس میں مسلمانوں کے لیے ایک الگ ریاست کا خاکہ پیش کیا۔ چودھری رحمت علی نے اس اسلامی ریاست کا نام پاکستان تجویز کیا۔ گویا یہ تحریک پاکستان



کی تمہید تھی۔

وقت گزرتا گیا۔ ملک میں آزادی کی تحریکیں زور پکڑتی گئیں۔ ہندو کانگریس اور مسلم لیگ نے اپنی اپنی مہم تیز کر دی۔ دونوں تحریکوں کا مقصد آزادی کا حصول تھا لیکن دونوں کی راہیں مختلف تھیں۔ کانگریس یہ چاہتی تھی کہ اقتدار ہندوؤں کے حوالے کر دیا جائے۔ مسلم لیگ یہ چاہتی تھی کہ انگریز سے آزادی کے بعد مسلمانوں کے حقوق اس قدر محفوظ ہو جائیں کہ وہ اپنے مذہب اور تہذیب کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔

مارچ ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس ہوا۔ اس کانفرنس کے لیے لاہور میں وہ مقام منتخب کیا گیا جہاں آج مینار پاکستان اس ملک کی بلندی اور عظمت کا اعلان کر رہا ہے۔ مسلم لیگ کا شاید ہی کوئی بڑا لیڈر ہو جو اس اجلاس میں شرکت سے محروم رہا ہو۔ اجلاس میں لاکھوں مسلمانوں نے بیک آواز یہ فیصلہ کیا کہ برصغیر کے شمالی اور مشرقی حصوں کو ملا کر جن میں مسلمان آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں ہیں، ایک آزاد اور خود مختار اسلامی مملکت قائم کی جائے۔ اس فیصلے میں اس اسلامی ریاست کے لیے پاکستان کا نام تو نہ لیا گیا لیکن اس کے کچھ عرصہ بعد ہی یہ فیصلہ کر لیا گیا کہ اس کا نام پاکستان ہوگا۔

اس قرار داد کے منظور ہوتے ہی مسلمانوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اب انھیں اپنی منزل صاف دکھائی دے رہی تھی۔ چنانچہ سب نے مل کر اس منزل کو پالینے کا عزم کیا۔ بوڑھوں نے راستہ دکھایا۔ جوانوں نے قدم آگے بڑھایا۔ طلبہ نے جوش اور ولولے کا مظاہرہ کیا۔ پوری قوم مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئی۔ پاکستان کے لیے جدوجہد عروج پر پہنچ گئی۔ جوں جوں پاکستان کی مخالفت بڑھتی جاتی تھی، مسلمانوں کا جوش اور جذبہ تیز ہوتا جاتا تھا۔ جب ہندوؤں نے دیکھا کہ مسلمان پاکستان کے مطالبے پر سختی سے قائم ہیں تو انھوں نے مسلمانوں کے اس مطالبے کے سامنے

ہتھیار ڈال دیے اور وہ پاکستان کے قیام پر راضی ہو گئے۔  
 انگریز حکومت نے جب یہ صورت حال دیکھی تو اُس نے بھی اس مطالبے  
 کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ آخر ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان ایک آزاد اور خود مختار  
 اسلامی ریاست کی حیثیت سے وجود میں آگیا۔ اس کا سبز اور سفید پرچم فضا کی بلندیوں  
 میں لہرانے لگا اور پورا ملک پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھا۔  
 پاکستان کو قائم ہوئے ایک عرصہ ہو گیا ہے لیکن اس کی جدوجہد کی یادیں آج  
 بھی زندہ ہیں۔ ہم اپنے بزرگوں کی قربانیاں بھلا کیسے بھلا سکتے ہیں۔ ہم قائد اعظمؒ کے  
 احسانات کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں؟ یہ دراصل انہی کی محنت کا ثمر ہے کہ آج ہم  
 شکہ چین سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ انہی کی ہمت کا نتیجہ ہے کہ آج ہمیں  
 ایک آزاد اسلامی مملکت کا شہری ہونے کا فخر حاصل ہے۔ ہم ان کے احسان کو ہمیشہ  
 یاد رکھیں گے اور اس مقصد پر کبھی آج نہیں آنے دیں گے، جس کی خاطر ہمارے محبوب  
 اور عظیم رہنما قائد اعظمؒ محمد علی جناحؒ نے پاکستان حاصل کیا تھا۔  
 قائد اعظمؒ زندہ باد۔ پاکستان پائندہ باد۔







## مشق

- 1- (i) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے الہ آباد کے جلسے میں کیا تجویز پیش کی؟  
(ii) مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور ۱۹۴۰ء کی کیفیت اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔  
(iii) قیام پاکستان کے لیے جو کوششیں کی گئیں ان کا مختصر حال بیان کیجیے۔
- 2- مندرجہ ذیل الفاظ کو حروف تہجی کے لحاظ سے ترتیب دے کر لغت میں ان کے معنی تلاش کیجیے۔  
عزم - موج زن ہونا - علامت - طویل - جدوجہد - بری - نفرت - مفکر - تمدن - آئین - تحفظ۔
- 3- چرچا - اکثریت - بُل بوتے پر - سختیاں جھیلنا - مقصد - نصب العین - جدوجہد - آنچ آنا۔  
خواب دیکھنا - کو اپنے مجلوں میں استعمال کیجیے۔
- 4- اس سبق میں سے دس فعل مستقبل تلاش کر کے لکھیے۔

# رات

گیا دن، ہوئی شام، آئی ہے رات  
 خدا نے عجب شے بنائی ہے رات  
 نہ ہو رات تو دن کی پہچان کیا  
 اٹھائے مزہ دن کا انسان کیا  
 ہوئی رات، خلقت مچھٹی کام سے  
 خموشی سی چھائی سرِ شام سے  
 مسافر نے دن بھر کیا ہے سفر  
 سرِ شام منزل پہ کھولی کمر  
 درختوں کے پتے بھی چُپ ہو گئے  
 ہوا تھم گئی، پیڑ بھی سو گئے  
 اندھیرا اُجالے پہ غالب ہوا  
 ہر اک شخص راحت کا طالب ہوا  
 ہوئے روشن آبادیوں میں چراغ  
 ہوا سب کو محنت سے حاصل فراغ  
 رُکسان اب چلا کھیت کو چھوڑ کر  
 کہ گھر میں کرے چین سے شب بسر  
 تھپک کر سلا یا اسے نیند نے  
 تردد بھلایا اسے نیند نے



غریب آدمی جو کہ مزدور ہیں  
 مشقت سے جن کے بدن چور ہیں  
 وہ دن بھر کی محنت کے مارے ہوئے  
 وہ ماندے، تھکے اور ہارے ہوئے  
 نہایت خوشی سے گئے اپنے گھر  
 ہوئے بال بچے بھی خوش دیکھ کر  
 گئے بھول سب کام دھندے کا غم  
 سویرے کو اٹھیں گے اب تازہ دم  
 کہاں چین یہ بادشہ کو نصیب  
 کہ جس بے غمی سے ہیں سوتے غریب  
 (اسماعیل میرٹھی)

## مشق

- 1- رات نہ ہوتی تو ہمیں کیا تکلیف ہوتی؟
- 2- کون کون سے کام رات کو بند ہو جاتے ہیں؟
- 3- رات کا سماں اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔
- 4- سرشام - منزل - راحت - طالب - فراغ - ترڈو - تازہ دم کے معنی یاد کیجیے۔
- 5- شعروں کی نثر بنانا سیکھیے۔ مثلاً پہلے شعر کی نثر یہ ہے:  
 دن گیا شام ہوئی رات آئی ہے، خدا نے رات عجب شے بنائی ہے۔  
 اسی طرح مختلف شعروں کی نثر بنا کر مشق کیجیے۔

# ٹیلی وژن

یوں تو سائنس کی بہت سی ایجادات قابلِ ذکر ہیں، مثلاً بجلی، ٹیلی فون، ریڈیو وغیرہ، لیکن ایک ایجاد ایسی ہے جو عمر میں ان سب سے چھوٹی مگر مقبولیت میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اس کا گھر گھر چرچا ہے۔ کیا بچے، کیا جوان اور بوڑھے، سبھی اس کے دل دادہ ہیں۔ شہری ہو یا دیہاتی، امیر ہو یا غریب، ہر شخص کو اس کا شوق اور ہر آدمی کو اس کی خواہش ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو سر اٹھا کر کسی شہر کے مکانات کی چھتوں اور منڈیروں کی طرف دیکھیے یا کسی اونچے مینار پر چڑھ کر نیچے شہر پر نظر دوڑائیے تو آپ کو بے شمار گھروں کی

چھتوں پر ایک لمبا بانس نظر آئے گا۔ اس پر پتلی پتلی سلاخوں کا ایک جنگلا سا لگا ہوا ہو گا۔ بالکل ایسے جیسے کبوتروں کی چھتری ہو۔ لیکن نہیں! یہ کبوتروں کی چھتری نہیں ہے، یہ تو ٹیلی وژن کا انٹینا ہے۔ ٹیلی وژن کے انٹینا کو غور سے دیکھیے تو اس کے ساتھ ایک تار لٹکا ہوا نظر آئے گا۔ اس تار کا ایک سرا انٹینے سے





بندھا ہے اور دوسرا ٹیلی وژن میں لگا ہے۔ ٹیلی وژن کو جادو کا ایک چھوٹا سا صندوق سمجھ لیجیے جس کے ایک طرف شیشے کی سکرین لگی ہوئی ہے۔ جب ٹیلی وژن چل رہا ہو تو اس سکرین پر بدل بدل کر تصویریں یوں نظر آتی ہیں جیسے کوئی فلم چل رہی ہو۔ اس سکرین کے پیچھے چھوٹے چھوٹے پُزروں کا ایک جال سا بچھا ہوتا ہے۔ دراصل یہ ایک نہایت پیچیدہ مشین ہے، جو اس صندوق میں تصویر اور آواز کا ایسا جادو جگاتی ہے کہ انسان کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

ٹیلی وژن ریڈیو کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ دونوں ایک ہی اصول پر کام کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ریڈیو کے ذریعے ہم فقط آواز ہی سنتے ہیں لیکن ٹیلی وژن پر آواز کے ساتھ بولنے والے کی تصویر بھی دیکھتے ہیں اور ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے کہ بات کرنے والا خود ہماری محفل میں بیٹھا ہوا ہے۔ جس طرح ریڈیو کے اپنے اندر کوئی آواز نہیں ہوتی بلکہ آوازیں ہوا کی لہروں کے ذریعے ریڈیو تک پہنچتی ہیں، اسی طرح ٹیلی وژن کے اندر نہ آواز ہوتی ہے نہ تصویر۔ اور ہم ٹیلی وژن سے بھی صرف وہی پروگرام دیکھ سکتے ہیں جو ٹیلی وژن سٹیشن سے نشر ہوتے ہیں اور جنہیں کیمرا اور مائیکروفون محفوظ کر کے ہوا کی لہروں کے ذریعے ٹیلی وژن سیٹ تک پہنچا دیتے ہیں۔ ٹیلی وژن کا اتنا اس عمل میں بہت مدد دیتا ہے یہ نہ ہو تو سکرین پر تصویر دھندلی نظر آئے۔

ریڈیو اور ٹیلی وژن میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ریڈیو کے پروگرام دور دور تک سُنے جاسکتے ہیں، لیکن ٹیلی وژن کے پروگرام زیادہ فاصلے تک نہیں دیکھے جاسکتے، البتہ اگر تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بوسٹر لگا دیے جائیں تو پھر یہ پروگرام دور دور تک دیکھے جاسکتے ہیں۔ اب تو سائنس نے اور بھی کمال کر دیا ہے۔ ٹیلی وژن کے پروگرام اگر خلائی سیاروں کی مدد سے نشر کیے جائیں تو ان کو ہزاروں کلومیٹر کے فاصلے پر

بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

ٹیلی وژن بھی خوب چیز ہے۔ اس سے تفریح بھی ہوتی ہے اور تعلیم بھی۔ اسے سبھی دیکھ سکتے ہیں اور پھر نطفہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنی اپنی پسند کا کوئی نہ کوئی پروگرام دیکھنے کو مل جاتا ہے۔ کہانی، ڈراما، گانا، ترانہ، کارٹون، خبریں، تقریریں، مذاکرے، مباحثے یہاں سبھی کچھ حاضر ہے۔ لیکن ٹیلی وژن تفریح سے زیادہ تعلیم کا فرض ادا کرتا ہے۔ سچ پوچھیے تو ٹیلی وژن کا ایک بہت بڑا مقصد ہی یہ ہے۔ اس سے صرف بچوں اور طالب علموں ہی کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ پوری قوم کے ہر فرد کی تعلیم ہو سکتی ہے۔ ٹیلی وژن کے ذریعے لوگوں کو ان کی خامیوں اور کمزوریوں سے باخبر کر کے ان کی اصلاح کی جاسکتی ہے۔ ٹیلی وژن کے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ ہماری معلومات وسیع ہوتی ہیں۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں کی تصویری رپورٹیں ملتی ہیں۔ بلکہ دنیا کی خبریں اپنے اصل روپ میں ہم تک پہنچتی ہیں۔ ٹیلی وژن نے فاصلے کا احساس کم کر دیا ہے۔ نیویارک میں اقوام متحدہ کے جلسے کی رپورٹ ہو یا کھیلوں کے عالمی مقابلے، ہم گھر بیٹھے یوں دیکھ لیتے ہیں جیسے یہ سب کچھ ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

ٹیلی وژن سے باقاعدہ تعلیم کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں ٹیلی وژن پر سائنس کے سبق پیش کیے جاتے ہیں بالعموم کو تعلیم دی جاتی ہے۔ عربی سکھائی جاتی ہے۔ امور خانہ داری اور عورتوں کی بھلائی کے پروگرام بھی نشر کیے جاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اس کے ذریعے کئی اور مضامین کی تعلیم بھی دے سکتے ہیں۔ بعض بیرونی ممالک میں تو ٹیلی وژن صبح سے شام تک تعلیم کے لیے استعمال ہوتا ہے اور طالب علم مدرسے اور گھر میں بیٹھے ٹیلی وژن کے ذریعے تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

ہمارے ملک میں بعض لوگ ٹیلی وژن کو پسند نہیں کرتے۔ ان کے خیال میں ٹیلی وژن ہمارے وقت اور کام کا دشمن ہے۔ ٹیلی وژن دیکھنے سے طالب علموں کا وقت



ضائع ہوتا ہے۔ لوگ سُست اور کاہل ہو جاتے ہیں اور اپنا کام کاج چھوڑ کر ہر وقت ٹیلی وژن کے گرد حلقہ جمائے بیٹھے رہتے ہیں۔ لیکن غور کریں تو اس میں ٹیلی وژن کا کیا قصور؟ کون کتنا ہے کہ ہم اپنے تمام کام چھوڑ کر ٹیلی وژن دیکھا کریں! ٹیلی وژن یا تو اس وقت دیکھنا چاہیے جب ہمیں فرصت ہو یا اس وقت جب کوئی اہم پروگرام ہو رہا ہو۔ ٹیلی وژن درحقیقت دوسری سائنسی ایجادات کی طرح ایک اہم اور مفید ایجاد ہے۔ اس کے فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ اگر ہم اس سے اچھا اور مفید کام لیں گے اور اس پر اعلیٰ درجے کے تعلیمی، معلوماتی اور تفریحی پروگرام نشر کریں گے تو اس ایجاد سے قوم کا کردار بلند ہوگا۔ اگر ہم گھٹیا اور پست درجے کے پروگرام نشر کریں گے تو اس سے قوم کا اخلاق بگڑے گا۔

بچوں کو ٹیلی وژن دیکھنے میں ذرا زیادہ احتیاط کرنی چاہیے۔ انہیں تعلیمی پروگرام تو ضرور دیکھنے چاہیے لیکن باقی پروگرام اس وقت تک نہیں دیکھنے چاہیے جب تک مدرسے کا کام ختم نہ ہو جائے۔ بچوں کو چاہیے کہ وہ ایسے پروگرام ضرور دیکھیں جو ان کے لیے نشر کیے جاتے ہیں، خواہ وہ تعلیمی پروگرام ہوں یا تفریحی۔ انہیں یہ بھی چاہیے کہ وہ ٹیلی وژن سے ذرا فاصلے پر بیٹھ کر دیکھیں۔ ٹیلی وژن کی سکرین کے قریب بیٹھنے سے نظر خراب ہو جاتی ہے۔ کمرے میں اندھیرا کر کے ٹیلی وژن دیکھنے سے بھی نظر پر بُرا اثر پڑتا ہے۔

## مشق

- 1- ٹیلی وژن سے کون کون سے فائدے حاصل ہو سکتے ہیں؟
- 2- ٹیلی وژن کے غلط استعمال سے کیا کیا نقصان ہوتے ہیں؟
- 3- جادو جگنا۔ دنگ رہ جانا۔ حلقہ جمانا۔ قابل ذکر۔ اخلاق۔ ایجادات۔ مضامین۔ معلومات۔ پیچیدہ۔ تفریح۔ کو تہی ترتیب سے لکھیے، ان کے معنی یاد کیجیے۔
- 4- ٹیلی وژن، ٹیلی فون، ریڈیو کی تصاویر بنا کر ان میں رنگ بھرے۔ 5- اس سبق میں سے ضمیریں تلاش کیجیے۔

## ترقی کا راز

ایک دن استاد صاحب جماعت میں آئے تو انھوں نے روزانہ کی طرح بچوں کو کتابیں کھولنے کو نہیں کہا بلکہ کچھ طلبہ نے کتابیں کھولیں تو انھوں نے فرمایا کہ آج ہم کتاب نہیں پڑھیں گے۔ آج میں آپ کو دو دوستوں کی سچی کہانی سناتا ہوں۔

جیل اور ناصہر آپس میں گہرے دوست ہیں۔ وہ ایک ہی محلے میں رہتے ہیں۔ دونوں ایک ہی جماعت میں پڑھتے ہیں۔ وہ دونوں اکٹھے سکول جاتے اور چھٹی کے بعد اکٹھے سکول سے واپس گھر آتے ہیں۔

جیل کی ایک ہی بہن ہے۔ اس کا نام فہمیدہ ہے۔ فہمیدہ جیل سے دو اڑھائی برس چھوٹی ہے۔ دونوں بہن بھائی ایک دوسرے سے بے حد پیار کرتے ہیں۔ جیل کے ابا ایک کارخانے میں کام کرتے ہیں۔ وہ صبح سویرے کام پر چلے جاتے ہیں اور سہ پہر کو واپس آتے ہیں۔ جیل کی امی لڑکیوں کے سکول میں پڑھاتی ہیں۔ فہمیدہ بھی اپنی امی کے ساتھ ہی سکول جاتی ہے۔ امی اور ابا دونوں کی کمائی سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے۔

ناصر کے ابا کسان ہیں۔ ان کی زمین بہت زیادہ نہیں۔ اس لیے انھیں بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے تاکہ گھر کے اخراجات پورے ہو سکیں۔ ناصر کے چار بہن بھائی ہیں۔ وہ چاروں اس سے بہت چھوٹے ہیں۔ ناصر ان سب میں بڑا ہے۔ ناصر کی امی کو بہت کام کرنا پڑتا ہے۔ وہ اتنے بڑے کنبے کے لیے کھانا تیار کرتی ہیں۔ گھر بھر کے لیے کپڑے تیار کرتی ہیں اور میلے کپڑے خود



دھوتی ہیں۔ انہیں خود ہی گھر کی صفائی ستھرائی بھی کرنا پڑتی ہے۔ ان سب کاموں کے ساتھ ساتھ انہیں گھر پر موشیوں کی دیکھ بھال کا کام بھی انجام دینا پڑتا ہے۔ وہ رات گئے تک جاگتی ہیں اور کام کرتی ہیں۔ انہیں اپنے آرام کے لیے بہت کم وقت ملتا ہے۔ اتنی محنت اور کوشش کے باوجود وہ بچوں کا پوری طرح خیال نہیں رکھ سکتیں۔

چھٹی کے دن ناصر جمیل کے گھر آجاتا ہے اور دونوں دوست مل کر کھیلتے ہیں۔ گزشتہ چھٹی کے دن جمیل دیر تک انتظار کرتا رہا لیکن ناصر نہ آیا۔ آخر وہ خود ہی ناصر کے گھر چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ ناصر موشیوں کے لیے چارا تیار کر رہا ہے۔ اُس نے ناصر سے پوچھا:

”ناصر بھائی! آج کیا بات ہے؟ تم کھیلنے نہیں آئے“

ناصر نے غمگین سی آواز میں جواب دیا:

”آج میں کھیلنے کے لیے نہیں آسکوں گا۔“

جمیل: کیوں؟ کیا بات ہے؟

ناصر: بات یہ ہے کہ کل سے میری امی کی طبیعت خراب ہے۔ تمہیں یہ تو معلوم ہے کہ گھر کا سارا کام کاج میری امی کو اکیلے کرنا پڑتا ہے۔ میرے بہن بھائی بہت چھوٹے ہیں۔ وہ اُن کی مدد تو کیا کرتے، اُن اُن کے لیے کام بڑھاتے رہتے ہیں۔ میرے ابا جی کا بھی یہی حال ہے۔ وہ صبح سے شام تک کھیتوں پر رہتے ہیں۔ رات کو تھکے مارے گھر آتے ہیں۔ انہیں خود آرام کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب لے دے کے ایک میں ہی رہ جاتا ہوں جو امی کا ہاتھ بٹا سکتا ہوں۔ اس لیے میں نے آج سے ارادہ کر لیا ہے کہ پڑھنے سے جتنا وقت بچے گا، وہ گھر

کے کاموں میں صرف کروں گا۔  
 جمیل: تم نے اب تک کون سا کام کیا ہے؟  
 ناصر: میں نے صبح سویرے اُمّی کو ناشتا تیار کرنے میں مدد دی۔ اپنی کتابیں اور  
 بہن بھائیوں کے کپڑے سلیقے سے رکھتے اور اس وقت چار موشیوں کو  
 ڈالنے کے بعد اُمّی سے پوچھوں گا۔ جو کام وہ کہیں گی وہ کروں گا۔ اب تم  
 گھر جا کر کھیلو۔

جمیل: پیارے دوست ناصر! میں تمہارے بغیر کھیلنے ہرگز نہ جاؤں گا۔ پہلے  
 تم میرے ساتھ کھیلنے کے لیے آتے تھے۔ اب میں تمہیں کام میں مدد  
 دینے آیا کروں گا۔ ہم دونوں دوست مل کر کام کیا کریں گے۔ تم چار  
 تیار کرو، میں اُٹھا کر موشیوں کے آگے ڈالتا جاتا ہوں۔  
 یہ کہ کر جمیل آگے بڑھا اور دونوں مل کر کام کرنے لگے۔

استاد صاحب نے کہانی سنائی اور بچوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہا: عزیز  
 طلبہ! آپ نے دیکھا کہ ناصر اور جمیل نے باہمی تعاون اور ایک دوسرے کی  
 مدد کے ذریعے کس طرح اپنے مسائل کا حل نکال لیا۔ اس طرح کے مسائل  
 صرف گھروں ہی میں نہیں ہوتے بلکہ ملکوں میں بھی ہوتے ہیں۔

مثلاً ہمارے ملک پاکستان کا ایک اہم مسئلہ آبادی کا ہے۔ ہماری آبادی  
 میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ آبادی کے اس اضافے کی وجہ سے ہماری  
 قوم کو بہت سی مشکلات کا سامنا ہے۔ مثلاً زیادہ آبادی کے لیے زیادہ مکانات  
 زیادہ مدرسے اور زیادہ ہسپتال درکار ہیں۔ خوراک کی ضروریات پوری کرنے کے  
 لیے ہمیں زیادہ اناج چاہیے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ ہم ان مسائل کے متعلق  
 معلومات حاصل کریں اور جہاں تک ممکن ہو ان کے حل کرنے میں قوم کا ساتھ دیں۔



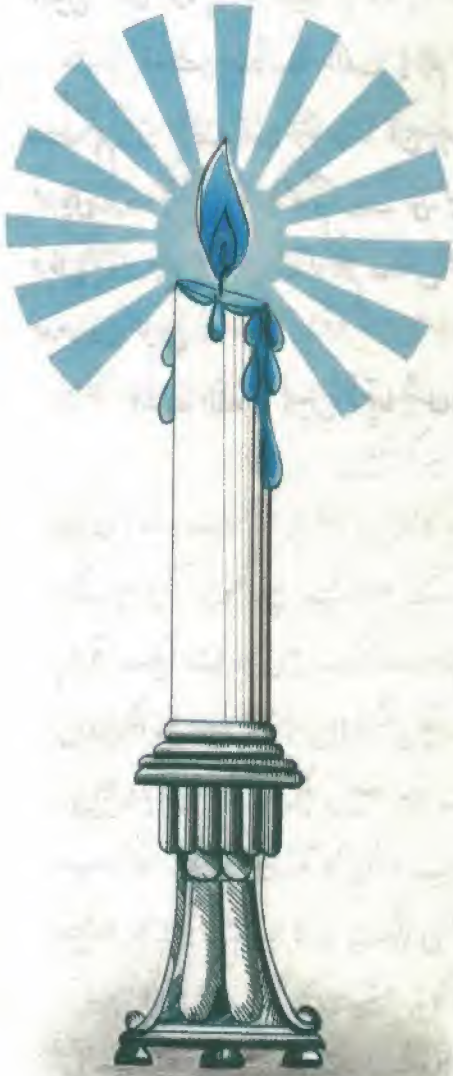
طالب علم ہوتے ہوئے ہمیں چاہیے کہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ کوئی ہنر بھی سیکھیں تاکہ نہ صرف اپنی ضروریات پوری کر سکیں بلکہ دوسروں کی امداد بھی کر سکیں تعلیم حاصل کرنے میں دل لگا کر محنت کریں اور ملکی ترقی میں حصہ لیں۔ ہماری قومی ترقی کا راز اسی محنت اور ایثار میں ہے۔“



## مشق

- 1- جمیل اور ناصر کی گھریلو زندگی میں فرق کا سبب کیا ہے؟
- 2- جمیل نے ناصر کی کس طرح مدد کی؟
- 3- آبادی میں اضافے سے کون کون سے مسائل پیدا ہوتے ہیں؟
- 4- آبادی کے مسائل کو حل کرنے میں طالب علم کیا مدد کر سکتے ہیں؟
- 5- مفید ہنر سے کیا مراد ہے؟
- 6- آپ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کون سا پیشہ اختیار کرنا پسند کریں گے؟

# دُعا



لب پر آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری  
 زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری  
 دُور دُنیا کا ہرے دم سے اندھیرا ہو جائے  
 ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے  
 ہو میرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت  
 جس طرح پھول سے ہوتی ہے چین کی زینت  
 زندگی ہو میری پروانے کی صورت یا رب  
 علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب  
 ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا  
 درد مندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا  
 مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو  
 نیک جو رہو، اس راہ پہ چلانا مجھ کو

(علامہ اقبالؒ)



اپ سب بچے بل کر دُعا مانگیں اور اللہ کا شکر ادا کریں جس نے انہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں۔

”اے ہمارے مالک! ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تیری دی ہوئی توفیق سے ہم نے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ آج ہم نے اپنی یہ کتاب ختم کر لی ہے۔ تو ہم پر مہربانی فرما۔ ہمیں نیک کام کرنے کی ہمت دے۔ ہم اپنے والدین اور اُستادوں کے فرماں بردار بنیں۔ دل لگا کر علم حاصل کریں اور پڑھ لکھ کر اپنے وطن کی خدمت کریں۔

اے اللہ! ہمیں اچھا مُسلمان اور بہادر پاکستانی بنا۔ آمین“





## اپیل

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ آپ کا اپنا ادارہ ہے جو وفاقی وزارت تعلیم حکومت پاکستان سے منظوری کے بعد قومی نصاب کے مطابق معیاری اور سستی کتب تیار کر کے مہیا کرتا ہے۔ ان کتب کے ذریعے اسلامی اقدار، ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت اور زندگی کی دیگر جہات سے آگاہی اور شعور کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

یہ کتابیں کہنہ مشق ماہرین تعلیم سے لکھوائی جاتی ہیں۔ اگر ان کتب میں کوئی تصور وضاحت طلب رہ گیا ہو تو یقیناً اساتذہ کرام اس کی کوپرا کر سکتے ہیں۔ اس سال حکومت پنجاب کی خصوصی ہدایت پر تمام کتب کو اغلاط سے مبرا بنانے کے لیے نظر ثانی کروائی گئی ہے۔ متن اور تصاویر کو بہتر بنایا گیا ہے۔ تاہم مزید بہتری اور اصلاح کی گنجائش ہمیشہ رہتی ہے لہذا اساتذہ، طلبہ و طالبات، والدین اور دیگر ماہرین تعلیم سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کے بارے میں بذریعہ ڈاک یا دیئے گئے ٹیلی فون نمبروں میں سے کسی بھی نمبر پر مندرجہ ذیل حوالوں سے اپنی آرا سے آگاہ فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن کو مزید بہتر بنایا جاسکے۔

- |   |                           |   |   |
|---|---------------------------|---|---|
| ● | املا کی غلطیوں کی نشاندہی | ● | تصاویر اور نقشوں کی بہتری کے لیے تجاویز |
| ● | مواد کی غلطیوں کی نشاندہی | ● | مختلف اسباق کی بہتری کے بارے میں تجاویز |

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کی کتابیں بورڈ کے مونیو گرام سے پہچانی جاتی ہیں جو ہر کتاب کے سرورق پر طبع ہوتا ہے۔ طلبہ و طالبات ان نصابی کتب کے علاوہ دیگر کتب (خلاصہ جات، ٹیسٹ پیپرز اور گائیڈز وغیرہ) خریدنے کے قطعاً پابند نہیں ہیں۔

سلیم اختر کیانی

چیرمین پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ،

21-E-II، گلبرگ-III، لاہور

ڈائریکٹر انسانیات : فون نمبر 9230685  
ڈائریکٹر ٹیکنیکل : فون نمبر 9230683  
سیکرٹری : فون نمبر 9230681  
فیکس : نمبر 9230679

ای میل : chairmanptbb@yahoo.com

9772



## قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد    کشور حسین شاد باد  
تو نفعانِ عزمِ عالی شان    ارضِ پاکستان  
مرکز یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نظام    قوتِ اتحادِ عوام  
قومِ ملک سلطنت    پائندہ تابندہ باد  
شاد باد منزلِ مراد  
پرچمِ ستارہ و ہلال    رہبرِ ترقی و کمال  
خرمِ ان ماضی شانِ حال    جانِ استقبال  
سایہِ خدائے ذوالجلال

تاریخ اشاعت	ایڈیشن	طباعت	تعداد اشاعت	قیمت
فروری 2005ء	اول	25	41,000	25.00